

علماء مکہ مکرمہ کے کاغذی نوٹ سے متعلق سوالات اور سیدی اعلیٰ حضرت کے تحقیقی جوابات پر مشتمل رسالہ



كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ



کی تسہیل بنام

کرٹاسی نوٹ کے شرعی احکامات

تصنیف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان
علیہ رحمۃ الرحمن

تسہیل: مولانا محمد شاہد قادری
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



مکتبہ المدینۃ العلمیہ (دعوتِ اسلامی)

شعبۃ کتب اعلیٰ حضرت رحمۃ الرحمن علیہ

فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ کراچی، پاکستان۔ فون: 4126999-93/4921389-93 فیکس: 4125858
Web: www.dawateislami.net, Email: maktaba@dawateislami.net

مکتبہ المدینہ

علماء مکہ مکرمہ کے کاغذی نوٹ سے متعلق سوالات اور سیدی اعلیٰ حضرت کے تحقیقی جوابات پر مشتمل رسالہ



كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ



کی تسہیل بنام

گرینڈ نوت کے شرعی احکامات

تصنیف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان
علیہ رحمۃ الرحمن

تسہیل: مولانا محمد شاہد قادری
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



پبلسنگز المدینہ العلمیہ (دعوتِ اسلامی)

شعبہ کتب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ کراچی، پاکستان۔ فون: 4126999-93/4921389-4921389 فیکس: 4125858
Web: www.dawateislami.net, Email: maktaba@dawateislami.net

مکتبہ المدینہ

علماء مکہ مکرمہ کے کاغذی نوٹ سے متعلق سوالات اور سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن
کے تحقیقی جوابات پر مشتمل رسالہ

”کفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدرهم“

کی تسہیل بنام

کرسی نوٹ کے شرعی احکامات

تصنیف: اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن

تسہیل: مولانا محمد شاہد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پیشکش

مجلس: المدینة العلمية (دعوت اسلامی)

شعبہ کتب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر

مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ کراچی

(الصلوة والسلام) عبدین با رسول اللہ وعلیٰ (الین) وأصحابین با حبیب اللہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

84406

نام کتاب : کفل الفقیہ الفامہ فی احکام قرطاس الدرہم

مصنف : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن

تخریج و تسہیل بنام : کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات

مسہل و مترجم : مولانا محمد شاہد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سن طباعت سوم : ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء

ناشر : مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

ملنے کے پتے

مکتبۃ المدینہ شہید مسجد کھارادر کراچی

مکتبۃ المدینہ دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور

مکتبۃ المدینہ اصغر مال روڈ نزد عید گاہ، راولپنڈی

مکتبۃ المدینہ امین پور بازار، سردار آباد (فیصل آباد)

مکتبۃ المدینہ نزد پھیل والی مسجد اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان

مکتبۃ المدینہ چھوٹکی گھٹی، حیدرآباد

مکتبۃ المدینہ کوسٹ نزد ریلوے اسٹیشن، ڈی ایس آفس

مکتبۃ المدینہ پشاور فیضان مدینہ گلبرگ نمبر ۱۱، النور اسٹریٹ صدر

مکتبۃ المدینہ آزاد کشمیر چوک شہداں میر پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الصلوة والسلام علیک، یا رسول اللہ
وعلی الیک واصحابک یا حبیب اللہ

تاریخ: ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

حوالہ: ۱۳۰

تصدیق نامہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
وعلى آله واصحابه اجمعين
تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب

” کفل الفقیہ الفہم فی احکام قرطاس الدراہم “

(مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) کی تسہیل و ترجمہ بنام ” کرنسی نوٹ کے مسائل “ پر مجلس
تفتیش کتب و رسائل کی جانب سے نظر ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کفریہ
عبارات، اخلاقیات، فقہی مسائل اور عربی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کر لیا
ہے۔ البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غلطیوں کا ذمہ مجلس پر نہیں۔

مجلس

تفتیش کتب و رسائل

15-5-2006



الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کُتُبِ اَعْلٰی حَضْرَتِ عَلِيهِ الرَّحْمَةِ اَوْر الْمَدِيْنَةِ الْعِلْمِيَّةِ

از: بانی دعوتِ اسلامی، عاشقِ اعلیٰ حضرت، شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنت
حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ

الحمد لله على إحسانه وبتفضله رسول الله صلى الله عليه وسلم

تبلیغِ قرآن و سنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک ”دعوتِ اسلامی“ نیکی کی
دعوت، احیائے سنت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مصمم رکھتی
ہے، ان تمام امور کو بحسنِ خوبی سرانجام دینے کے لئے متعدد مجالس کا قیام عمل میں لایا
گیا ہے جن میں سے ایک مجلس ”المدینة العلمیة“ بھی ہے جو دعوتِ اسلامی
کے علماء و مفتیانِ کرام کثرہم اللہ تعالیٰ پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی
اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں

(۱) شعبہ کُتُبِ اَعْلٰی حَضْرَتِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

(۲) شعبہ درسی کُتُبِ

(۳) شعبہ اصلاحی کُتُبِ

(۴) شعبہ تراجم کتب

(۵) شعبہ تخریج

(۶) شعبہ تفتیش کُتُبِ

”المدینة العلمیة“ کی اولین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، عظیم

البرکت، عظیم المرتبت، پروانہ شمع رسالت، مجدِ دین وملت، حامی سدت، ماحی بدعت، عالم شریعت، پیر طریقت، باعث خیر و برکت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کی گراں مایہ تصانیف کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتیٰ الوسع سہل اسلوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اس علمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کتب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ عزوجل ”دعوتِ اسلامی“ کی تمام مجالس بشمول ”المدينة العلمية“ کو دین گیارہویں اور رات بارہویں ترقی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عمل خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیر گنبد خضر شہادت، جنت البقیع میں مدفن اور جنت الفردوس میں اپنے مدنی حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوس نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله عزوجل! ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ اپنے بزرگوں کی کتابیں آسان سے آسان انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہیں چنانچہ اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، رہبر شریعت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کے کئی عربی، اردو اور فارسی رسائل طبع ہو کر عوام و خواص سے خراج تحسین پا چکے ہیں اسی سلسلے کی ایک اور گوی سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا عرب و عجم میں نہایت ہی مشہور و معروف رسالہ ”کفل الفقیہ الفامہ فی احکام قرطاس الدرہم“ بنام ”کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات“، پیش خدمت ہے، جس میں آپ علیہ رحمۃ الرحمن سے ایسے بارہ سوالات کیے گئے ہیں جن کا تعلق کرنسی نوٹ کے مسائل سے تھا چنانچہ آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے ان سوالات کے جوابات قرآن و حدیث اور کثیر کتب فقہیہ کی روشنی میں محققانہ انداز میں عطا فرما کر حق تحقیق ادا کر دیا جبکہ اسی کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت جاننے میں اہل علم حضرات عرصہ دراز سے متذبذب و متزلزل تھے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن کے ان تحقیقی جوابات کی روشنی میں وہ اشکالات بھی رفع ہو گئے۔

بہر حال چند ہم عصر علماء نے بھی کرنسی نوٹ سے متعلق سوالات کے جوابات دیے لیکن ان کی تحقیق قوانین شرعیہ کے پیش نظر ناقص و کمزور تھی۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس ”رسالے“ میں ان کے بیان کردہ ضعیف دلائل کا تعاقب فرما کر حکم شرعی خوب اچھے انداز میں واضح فرما دیا۔

مزید یہ کہ اس ”رسالے“ میں سود کی حد بندی کر کے جائز طریقوں پر نفع حاصل کرنے کی مختلف صورتیں بھی تحریر فرمائی ہیں، الغرض! سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن کا یہ ”رسالہ“ دلائل و براہین سے مزین و آراستہ ہے۔ اور اس ”رسالے“ کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ”رسالہ“ کراچی ”یونیورسٹی“ کے ایم، اے، کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ بہر حال عام قارئین کی آسانی کے لیے ”مقدمہ“ میں اس ”رسالے“ کا خلاصہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

اس ”رسالہ“ کو جدید طرز اور اچھے انداز میں پیش کرنے کے لیے تبلیغ قرآن و سنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوت اسلامی کی مجلس ”المدينة العلمية“ کے مدنی علماء نے خوب کوششیں کی ہیں جس کا اندازہ ذیل میں دی گئی کام کی تفصیل سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ آیات و احادیث اور دیگر عبارات کے حوالہ جات کی مقدور بھر تخریج کی گئی ہے۔

۲۔ مشکل الفاظ اور فقہی اصطلاحات کے پیش نظر ترجمے کو آسان اردو زبان میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عام قاری کو بھی یہ ”رسالہ“ پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

۳۔ جگہ جگہ عربی الفاظ اور مشکل فقہی اصطلاحات کا انگلش میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اور ”رسالہ“ کی ابتداء ہی میں ان تمام اصطلاحات کو چند فائدوں کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے جنہیں یاد رکھ کر یہ ”رسالہ“ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۴۔ نئی گفتگوئی سطر میں درج کی گئی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو با آسانی مسائل سمجھ آسکیں۔

۵۔ آیات قرآنیہ کو منقش بریکٹ ﴿ ﴾، متن احادیث کو ڈبل بریکٹ (())،

کتابوں کے نام اور دیگر اہم عبارات کو Inverted commas ” “ سے

واضح کیا گیا ہے۔

۶۔ آخر میں ماخذ و مراجع کی فہرست، مصنفین و مؤلفین کے ناموں، ان کی سن وفات اور مطابع کے ساتھ ذکر کر دی گئی ہے۔

اسی طرح اس ”رسالہ“ کو آپ تک پہنچانے سے پہلے کئی مرتبہ پروف ریڈ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی احتیاط کے ساتھ فقہی مسائل بھی دیکھ لیے گئے ہیں تاکہ یہ ”رسالہ“ حتی المقدور فقہی مسائل میں غلطیوں، فنی قصور اور دیگر نقائص سے محفوظ رہے چنانچہ اس ”رسالہ“ میں آپ حضرات کو جو خوبیاں دکھائی دیں وہ اللہ عزوجل کی عطا، اس کے پیارے حبیب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر کرم، علماء کرام رحمہم اللہ اور شیخ طریقت امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری دام ظلہ العالی کے فیض سے ہیں اور جو خامیاں نظر آئیں ان میں یقیناً ہماری کوتاہی ہے۔

اس رسالہ کی اشاعت اول کی تسہیل مولانا محمد شاہد العطار المدنی بن حبیب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی تھی۔ موصوف سانچہ نشتر پارک (۱۴۲۷ھ) میں شہید ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

موصوف نے درس نظامی (عالم کورس) کی تعلیم دعوت اسلامی کے ادارے ”جامعۃ المدینہ“ میں مکمل کی، اور ۲۰۰۴ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دعوت اسلامی کے علمی و تحقیقی ادارے ”المدینۃ العلمیۃ“ میں اپنی خدمات انجام دیتے رہے اور کئی کتابوں کے تراجم کے بنیادی مراحل طے کئے جن میں ”المتجر الرابع فی ثواب العمل الصالح“ بنام ”جنت میں لے جانے والے اعمال“، ”بحر الدموع“

بنام ”آنسوؤں کا دریا“ اور ”الزواج عن اقتراف الكبائر“ بنام ”جہنم میں لے جانے والے اعمال“ کا کچھ ترجمہ شامل ہے۔

قارئین خصوصاً علماء کرام دامت فیوہم سے گزارش ہے کہ اس ”رسالہ“ کے معیار کو مزید بہتر بنانے کے بارے میں ہمیں اپنی قیمتی آراء اور تجاویز سے تحریری طور پر مطلع فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ”رسالہ“ کو عوام و خواص کے لیے نفع بخش بنائے!

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وأصحابہ وبارک وسلم!

شعبہ کتب اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن (المدينة العلمية)

فہرست

صفحہ نمبر	فہرست مضامین	نمبر شمار
۱۹	چند ضروری اصطلاحات	۱
۲۰	مختلف بیوع کی تعریفات	۲
۲۱	فائدہ	۳
۲۳	تقدیم	۴
۲۶	کاغذی نوٹ کے بارے میں علماء مکہ مکرمہ کے سوالات	۵
۲۸	تمہید	۶
۵۰	نوٹ کی حقیقت	۷
۵۱	مال کی تعریف	۸
۵۱	نوٹ کا جزئیہ	۹
۵۲	نوٹ کے رسید ہونے کا مطلب	۱۰
۵۵	کرنسی نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا بیان	۱۱
۵۷	کتابت مال نہیں	۱۲
۵۹	مال کی چار اقسام اور ان میں فقہی بحث	۱۳
۵۹	مال کی پہلی قسم	۱۴
۶۰	مال کی دوسری قسم	۱۵

۲۰ شامی پر معروضہ	۱۶
۲۱ مال کی تیسری قسم	۱۷
۲۱ تنویر الأَبصار پر تطفیل (معروضہ)	۱۸
۲۲ مال کی چوتھی قسم	۱۹
۲۵	نوٹ اصطلاح میں ٹمن ہے کیونکہ اس کے ساتھ ٹمن جیسا معاملہ کیا جاتا ہے.....	۲۰
۲۵ سوال نمبر ۱	۲۱
۲۶ سوال نمبر ۲	۲۲
۲۶ زکوٰۃ کی شرائط پائی جائیں تو نوٹ پر زکوٰۃ ہے.....	۲۳
۲۷ سوال نمبر ۳	۲۴
۲۷ نوٹ مہر ہو سکتا ہے.....	۲۵
۲۷ سوال نمبر ۴	۲۶
۲۷ نوٹ چوری کرنے پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا.....	۲۷
۲۸ سوال نمبر ۵	۲۸
۲۸ نوٹ ضائع کر دینے پر نوٹ ہی دینا ہوگا.....	۲۹
۲۹ سوال نمبر ۶	۳۰
۲۹ نوٹ کو چاندی کے روپوں اور سونے کی اشرفیوں سے بیچنا جائز ہے.....	۳۱

۶۹ تنبیہ	۳۲
۷۰	مصنف کی تحقیق کہ خرید و فروخت کے صحیح ہونے کیلئے کم سے کم ایک پیسہ کی قیمت ہونا کچھ ضروری نہیں.....	۳۳
۷۰	اصول یہ ہے کہ شی کی موجودہ حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھی.....	۳۴
۷۲	مالیت کیلئے ضروری نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے.....	۳۵
۷۴ تنویر الأَبصار پر تطفل	۳۶
۷۵ چند آدابِ افتاء.....	۳۷
۷۵ قنیہ کی روایات ضعیف ہوا کرتی ہیں.....	۳۸
۷۵ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو اس کا قول مقبول نہیں.....	۳۹
۷۵ قنیہ اگر قواعد کے خلاف مسئلہ بیان کرے تو قابلِ قبول نہیں جب تک کہ اس کی تائید میں کوئی اور قابلِ اعتماد نقل نہ پائی جائے.....	۴۰
۷۵ نقل میں ناقل کا نہیں بلکہ جس کے حوالے سے نقل کیا جائے اُس کا اعتبار ہوتا ہے.....	۴۱
۷۶ قنیہ کے مسئلے کا دلیلِ نقلی سے جواب.....	۴۲
۷۶ عباراتِ فقہاء میں لفظ کاغذہ میں تاء وحدت لانے کا فائدہ.....	۴۳

۷۸ قنیہ کے مسئلے کا دلیل عقلی سے جواب	۴۴
۸۰ ملک ہند کی وسعت اور اس کے طول و عرض کی حدیں	۴۵
۸۰ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے	۴۶
۸۰ بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے	۴۷
۸۱ دوسروں کا مال چھیننے میں سخت سزا ہے	۴۸
۸۲	بیع کو جائز قرار دینے میں غریب مسلمانوں کی بقا اور احسن طریقے سے ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے	۴۹
۸۳ کسی شی کو مال بنانے سے بھی مالیت ثابت ہو جاتی ہے	۵۰
۸۴ مسئلہ قنیہ کی ایک نفیس توجیہ	۵۱
۸۶ سوال نمبر ۷	۵۲
۸۶ نوٹ کو کپڑوں کے عوض بیچنا بیع مطلق ہے	۵۳
۸۷ سوال نمبر ۸	۵۴
۸۷ نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے	۵۵
۸۸ سوال نمبر ۹	۵۶
۸۸ روپے کے بدلے میں کرنسی نوٹ کو بطور قرض بیچنا جائز ہے	۵۷
۸۸ روپوں کے بدلے میں نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں کہ اس میں دونوں طرف سے قبضہ کرنا شرط ہو	۵۸
۸۸ بیع صرف کی تعریف	۵۹

۸۸	نوٹ اور پیسوں کا ٹمن ہونا لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے ہے	۶۰
۸۹	دین کو دین سے بیچنا ممنوع ہے.....	۶۱
۹۳	اس امر کی تحقیق کہ فلوس (پیسوں) کو سونے یا چاندی سے بدلنا جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہو گیا ہو تو جائز ہے.....	۶۲
۹۴	قاری الہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ کی تضعیف.....	۶۳
۹۵	اس معنی کی تضعیف جو علماء نے جامع صغیر کی عبارت سے سمجھا اور علامہ شامی نے قاری الہدایہ کی اس سے تائید کی، اور ذخیرہ و بحر وغیرہ پر تطلعات.....	۶۴
۹۷	یدأبید (قبضہ) کی تحقیق.....	۶۵
۱۰۸	سوال نمبر ۱۰.....	۶۶
۱۰۸	نوٹ میں بیع سلم جائز ہے.....	۶۷
۱۰۸	پیسوں میں بیع سلم کے جواز کی تحقیق.....	۶۸
۱۱۰	فتح القدر پر تطفل.....	۶۹
۱۱۳	سوال نمبر ۱۱.....	۷۰
۱۱۳	نوٹ کو اس کی مالیت سے زائد قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے	۷۱
۱۱۴	مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب کی عادت.....	۷۲
۱۱۴	نوٹ کو اس کی مالیت سے زیادہ قیمت پر بیچنے کے جواز (جائز ہونے) کی پہلی دلیل.....	۷۳

۱۱۴	ایک عام اور اہم قاعدہ جس پر سود (Usury) کے تمام مسائل کا دار و مدار ہے.....	۷۴
۱۱۵	جواز کی دوسری دلیل.....	۷۵
۱۱۶	جواز کی تیسری دلیل.....	۷۶
۱۱۶	جواز کی چوتھی دلیل.....	۷۷
۱۱۷	لکھنوی صاحب کی طرف سے ایک شبہ.....	۷۸
۱۱۷	اس شبہ کا پہلا جواب.....	۷۹
۱۱۸	دوسرا جواب.....	۸۰
۱۱۹	تیسرا جواب.....	۸۱
۱۲۰	ایک اعتراض کی تقریر.....	۸۲
۱۲۲	پہلا جواب.....	۸۳
۱۲۳	دوسرا جواب.....	۸۴
۱۲۴	سود کی تعریف.....	۸۵
۱۲۴	تیسرا جواب.....	۸۶
۱۲۶	فتویٰ مطلقاً امام کے قول پر ہے.....	۸۷
۱۲۶	چوتھا جواب.....	۸۸
۱۲۶	اس امر کے دلائل کہ مالیت میں تفاضل (زیادتی) مکروہ تحریمی نہیں ہے.....	۸۹

۱۲۶	کراہت کے مختلف اطلاقات	۹۰
۱۳۲	سود سے بچنے کی تدبیر: ۱	۹۱
۱۳۳	سود سے بچنے کی تدبیر: ۲	۹۲
۱۳۴	سود سے بچنے کی تدبیر: ۳	۹۳
۱۳۵	سود سے بچنے کی تدبیر: ۴	۹۴
۱۳۶	بیع عینہ کا بیان	۹۵
۱۳۶	سود سے بچنے کی تدبیر: ۵	۹۶
۱۳۶	سود سے بچنے کی تدبیر: ۶	۹۷
۱۳۸	بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے	۹۸
۱۳۹	علم اصول فقہ اور علم حدیث میں مُرْسَل کی تعریف میں فرق ہے	۹۹
۱۳۹	حدیث عینہ کی پرکھ	۱۰۰
۱۴۱	مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا ہی اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے	۱۰۱
۱۴۲	سب سے افضل کسب کون سا ہے؟	۱۰۲
۱۴۴	خریدتے وقت کمی کرنا سنت ہے	۱۰۳
۱۴۵	مالیت میں تفاضل (زیادتی) کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی دوسری دلیل	۱۰۴

۱۲۵	مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں اور جنس مختلف ہو تو چاروں جائز ہیں.....	۱۰۵
۱۲۶	مالیت میں تقاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی تیسری دلیل...	۱۰۶
۱۲۷	مالیت میں تقاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی چوتھی دلیل....	۱۰۷
۱۲۷	مالیت میں تقاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی پانچویں دلیل.	۱۰۸
۱۲۸	مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے اور تنزیہی مباح ہے.....	۱۰۹
۱۲۸	فاضل لکھنوی کی لغزش کی طرف اشارہ.....	۱۱۰
۱۲۹	مالیت میں تقاضل مکروہ تحریمی نہ ہونے کی چھٹی دلیل.....	۱۱۱
۱۲۹	ایک پیسہ سو معین پیسوں کے بدلے میں بیچنا حلال ہے.....	۱۱۲
۱۲۹	مالیت میں تقاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ساتویں دلیل..	۱۱۳
۱۲۹	فتح القدر پر تطفل (معروضہ).....	۱۱۴
۱۵۱	مالیت میں تقاضل کے مکروہ نہ ہونے کی آٹھویں دلیل.....	۱۱۵
۱۵۲	مالیت میں تقاضل کے مکروہ نہ ہونے کی نویں دلیل.....	۱۱۶
۱۵۳	مالیت میں تقاضل کے مکروہ نہ ہونے کی دسویں دلیل.....	۱۱۷
۱۵۳	شیخ عبدالحلیم کے کلام کا پہلا جواب.....	۱۱۸
۱۵۳	دوسرا جواب.....	۱۱۹
۱۵۳	کبھی مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں.....	۱۲۰

۱۵۵	حدیث ((مسلمانوں کے مسلمان پر چھ حقوق واجب ہیں)) میں واجب سے کیا مراد ہے؟	۱۲۱
۱۵۵	شیخ عبدالحلیم کے کلام کا تیسرا جواب	۱۲۲
۱۵۵	دولت عثمانیہ کے واقعہ کا ذکر	۱۲۳
۱۵۹	فاضل لکھنوی پر پانچواں رد	۱۲۴
۱۶۰	فاضل لکھنوی پر چھٹا رد	۱۲۵
۱۶۱	فاضل لکھنوی پر ساتواں رد	۱۲۶
۱۶۱	فاضل لکھنوی پر آٹھواں رد	۱۲۷
۱۶۱	فاضل لکھنوی پر نوواں رد	۱۲۸
۱۶۲	فاضل لکھنوی پر دسواں رد	۱۲۹
۱۶۲	فاضل لکھنوی پر گیارہواں رد	۱۳۰
۱۶۳	فاضل لکھنوی پر بارہواں رد	۱۳۱
۱۶۴	اس امر کا بیان کہ مختلف نقد جب مالیت اور چلن میں برابر ہوں تو اختیار ہے جس میں سے چاہے قیمت ادا کرے	۱۳۲
۱۶۷	فاضل لکھنوی پر تیرہواں رد	۱۳۳
۱۶۸	فاضل لکھنوی پر چودہواں رد اس امر کے بیان میں کہ فاضل لکھنوی کے قول پر لازم آتا ہے کہ سود حلال ہو	۱۳۴
۱۶۹	فاضل لکھنوی پر پندرہواں رد	۱۳۵

۱۷۰ سوال نمبر ۱۲	۱۳۴
۱۷۱	دس روپے کا نوٹ بارہ کے بدلے سال بھر کے وعدہ پر قسط بندی سے بیچنا جائز ہے سو نہیں ہے	۱۳۵
۱۷۲	قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے زائد دینے کا بیان	۱۳۶
۱۷۳	قرض لینے والے کا قرض خواہ سے قرض خرید لینا کیسا؟	۱۳۷
۱۷۵ سود سے بچنے کی ترکیبیں	۱۳۸
۱۷۷ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیع عینہ کی	۱۳۹
۱۷۷ بیع عینہ کے جواز پر اجماع قائم ہے	۱۴۰
۱۷۷ بیع اور قرض جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟	۱۴۱
۱۷۸ اس قسم کے حیلے کا قرآن و حدیث سے ثبوت	۱۴۲
۱۸۱ بیع اور سود میں کیا فرق ہے؟	۱۴۳
۱۸۴ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ	۱۴۴
۱۸۵	اگر کوئی کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار کے عوض بیچے تو یہ بلا کراہت جائز ہے	۱۴۵
۱۸۶ تصدیقات علماء کرام	۱۴۶
۱۸۷ ماخذ و مراجع	۱۴۷

اس کتاب میں موجود ضروری اصطلاحات کی تعریفات

(DEFINATIONS OF ESSENTIAL TERMINOLOGIES)

(۱) بیع : دو شخصوں کا باہم رضا مندی سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔
(SALE)

(۲) مبیع : وہ چیز جس کو بیچا جا ہے۔

(SOLD THING)

(۳) بائع : کسی بھی چیز کے بیچنے والے کو "بائع" کہتے ہیں۔

(SELLER)

(۴) مشتری : کسی چیز کے خریدنے والے کو "مشتری" کہتے ہیں۔

(PURCHASER)

(۵) دین : ایسی چیز جو کسی کے ذمہ کسی عقد یا فعل کے سبب لازم ہو جائے "دین" ہے

(FINANCIAL CLAIM)

مثلاً: ادھار خرید و فروخت کی وجہ سے جو چیز ذمہ پر لازم ہو، اُسے "دین" کہتے ہیں۔
ایسے ہی کسی کی چیز کو ہلاک کرنے پر جو ضمان (تاوان) لازم آتا ہے، اسے بھی "دین" کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کسی سے کوئی چیز قرض لینے کی صورت میں جو چیز ذمہ پر واپس دینا لازم ٹھہرے، اُسے بھی "دین" کہتے ہیں۔

(۶) دائن : دین دینے والا، قرض دینے والا، قرض خواہ۔

(CREDITOR)

(DEBTOR) (۷) مدیون: جس شخص پر دین ہو، مقروض، قرضدار۔

(۸) قرض: مثلی چیزوں میں سے کوئی چیز کسی کو دینا اس غرض سے کہ بعد میں اسی

(LOAN) کے مثل چیز وصول کرے "قرض" کہلاتا ہے۔

فائدہ: "قرض" اور "دین" میں عموم خصوص مُطلق کی نسبت ہے یعنی ہر قرض

دین ہے لیکن ہر دین قرض نہیں۔

(۹) مال: ہر وہ چیز جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس کا جمع کر کے رکھنا ممکن ہو "مال"

(PROPERTY) کہلاتی ہے۔

(۱۰) مال متقوم: اس مال کو کہتے ہیں جس سے نفع اٹھایا جانا ممکن ہو۔

(THINGS WITH COMMERCIAL VALUE)

(۱۱) ثمن: وہ مال ہے جو خریدنے اور بیچنے والے کے درمیان بیع کے بدلے میں طے

(PRICE) پائے۔

(۱۲) ثمن اصطلاحی: وہ ثمن ہے جو درحقیقت متاع (سامان) ہے لیکن لوگوں کی

اصطلاح نے اسے ثمن بنا دیا ہو جیسے کرنسی نوٹ اور تانبے یا پتیل کے سکے۔

(TERMINOLOGICAL CURRENCY)

(۱۳) ثمن خلقی: وہ ثمن ہے جو پیدائشی طور پر ثمن ہو اور وہ ہر حال میں ثمن ہی رہتے

ہوں یعنی ان کی ثمنیت کو کوئی باطل ہی نہ کر سکے جیسے۔ سونا چاندی۔

(REAL MONEY)

(۱۴) قیمت: کسی چیز کا بھاؤ جو بازار میں رائج ہو قیمت کہلاتا ہے۔

(VALUE)

(GOLD COIN)

(۱۵) اشرفی: سونے کے سکے کو کہتے ہیں۔

(GOLD COIN)

(۱۶) دینار: سونے کے سکے کو کہتے ہیں۔

(SILVER COIN)

(۱۷) درہم: چاندی کے سکے کو کہتے ہیں۔

(۱۸) نوٹ: کاغذی کرنسی کو نوٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(NOTE / PAPER MONEY)

(۱۹) روپیہ: روپیہ سے مراد چاندی کا بنا ہوا سکہ ہے۔

(SILVER COIN)

فائدہ: اس کتاب میں جہاں کہیں لفظ "روپیہ" آیا ہے اس سے مراد "چاندی کا

روپیہ" ہے کیونکہ جس زمانے میں یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی اُس وقت "روپیہ" بول کر

"چاندی کا روپیہ" مراد لیا جاتا تھا بہر حال کتاب میں جہاں کہیں لفظ "روپیہ" آیا ہے

وہاں "چاندی کا روپیہ" لکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کتاب آسان سے آسان ہو جائے

(۲۰) فلوس: فلس کی جمع ہے کسی بھی قسم کے سکے کو کہتے ہیں۔

(۲۱) پیسہ: تانبے یا پتیل وغیرہ سے بنائے ہوئے سکے کو کہتے ہیں۔

(۲۲) نقدین: سونا اور چاندی کو کہتے ہیں۔

(۲۳) بیع مطلق: اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے کے بدلے کوئی سامان وغیرہ

خریدا یا بیچا جاتا ہے۔

(UNCONDITIONAL SALE/ABSOLUTE SALE)

(۲۴) بیع صرف: ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن خلقی کے بدلے ثمن خلقی کو خریدایا بیچا جاتا ہے جیسے نقدین (سونے اور چاندی) کے بدلے نقدین کی بیع۔

(MONEY EXCHANGE)

(۲۵) بیع مقایضہ: اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے اثر فی نہیں بلکہ ایک سامان کے عوض دوسرا سامان خریدایا بیچا جاتا ہے۔

(BARTER SALE)

(۲۶) بیع سلم: اس بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن پہلے دیا جاتا ہے اور بیع کچھ مدت بعد دی جاتی ہے۔

(V.A LIVRER)

فائدہ: بیع سلم کو لفظ "بدلی" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲۷) بیع عینہ: کوئی شخص ایک چیز ادھار بیچے اور خریدنے والے کے قبضہ میں دے اور پھر ثمن وصول کرنے سے پہلے بیچنے والا خود اس چیز کو پچھلے ثمن سے لم پر نقد خرید لے۔

(SALE ON CREDIT)

(۲۸) قبضہ طرفین: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کا ثمن اور بیع پر قبضہ کر لینا قبضہ طرفین کہلاتا ہے اور قبضہ طرفین صرف "بیع صرف" میں شرط ہے۔

(CUSTODY FROM BOTH SIDES)

(۲۹) یداً بیداً (دست بدست) سے فقہاء کرام کی مراد یہ ہے کہ بیع اور ثمن دونوں چیزیں معین ہو جائیں یعنی بائع اور مشتری پر کسی طرح کا دین (قرض) نہ رہے۔

84466

مقدمه

نوٹ کی فقہی حیثیت

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نوٹ جو کہ درحقیقت کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے کافی عرصہ سے بطور مال استعمال کیا جا رہا ہے لوگ اس کے ذریعے سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، خرید و فروخت کرتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ الغرض مال ہونے کی حیثیت سے اسے ہر جگہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کی فقہی حیثیت کے بارے میں علماء کرام رحمہم اللہ کے درمیان کافی اختلاف رہا کوئی اسے سونے کی رسید (Receipt) کہتا اور کوئی ٹمن اصطلاحی (ٹمن اصطلاحی) (Terminological currency) وہ ٹمن ہے جو درحقیقت متاع (سامان) ہوتا ہے لیکن لوگوں کی اصطلاح (Terminology) نے اسے ٹمن بنا دیا ہو جیسے کرنسی نوٹ اور تانبے یا پیتل کے سکے)۔ علماء کے درمیان اس اختلاف (Conflict) کی اصل وجہ بذات خود نوٹ تھا کیونکہ نوٹ ابتداءً سونے کی رسید تھے اور انہیں بینک کے سپرد کر کے سونا بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔

جبکہ بدلتے ہوئے اقتصادی و معاشی حالات کے پیش نظر حکومتوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ نوٹ جاری کیے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور آہستہ آہستہ ان نوٹوں کی تعداد

بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ان نوٹوں کے مقابلے میں سونے کی مقدار حکومت کے پاس انتہائی کم ہوگئی۔

اور اب حکومتوں کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اگر لوگوں نے ان نوٹوں کے بدلے سونے کا مطالبہ کیا تو ان کے مطالبے کیسے پورے کیے جائیں گے؟ کیونکہ نوٹ زیادہ تعداد میں ہیں اور ان کے مقابلے میں سونا کم مقدار میں۔

چنانچہ حکومتوں نے اس خطرہ کے پیش نظر نوٹ اپنے قبضہ و تصرف میں لے کر ایک مخصوص اور معیاری صورت دیدی اور باقی تمام بینکوں پر اس قسم کے نوٹوں کے چھاپنے پر پابندی عائد کر دی۔

اسی طرح حکومتوں کی جانب سے نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو روکنے کے لئے مختلف قسم کے اقدامات کیے گئے آخر کار نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو مکمل طور پر روک دیا گیا۔ چنانچہ اب نوٹ کے بدلے میں نوٹ ہی مل سکتا ہے نہ کہ سونا، چاندی۔ اور اب حکومتوں کے نزدیک نوٹ سونے یا چاندی کی رسید نہیں بلکہ الگ سے ایک مال یعنی ثمن اصطلاحی (Terminological currency) ہے۔

چنانچہ اس وضاحت کے باوجود بعض علماء کے نزدیک نوٹ قرض کی رسید تھی جن علماء نے اسے قرض کی رسید قرار دیا تھا ان کے نزدیک اس نوٹ کو جاری کرنے والے بینک کی حیثیت مقروض (Debtor) کی سی تھی، اور جس کے پاس نوٹ تھے وہ دائن (Creditor) کی حیثیت رکھتا تھا۔

بعض علماء کے نزدیک نوٹ ثمن اصطلاحی ہی تھا اور یہی نوٹ کی حقیقت ہے چنانچہ نوٹ کی فقہی حیثیت کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے علماء کے درمیان نوٹ کے

ذریعے خرید و فروخت، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور دیگر معاملات میں اختلافات رونما ہوئے۔

نوٹ اور خرید و فروخت اور زکوٰۃ کے احکام

چنانچہ جن علماء نے نوٹ کو رسید سمجھا ان کے نزدیک نوٹ کے بدلے اشیاء کی خرید و فروخت میں نوٹ کا ادا کیا جانا "حوالہ" کی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی نوٹ کی ادائیگی کرنے والا قیمت کا "حوالہ" بینک یا حکومت کے کسی ایسے ادارے پر کر دیتا تھا جہاں سے نوٹ شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک نوٹ پر "حوالہ" کے احکامات عائد ہوتے تھے۔ اسی لئے ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے کیے جانے والے تمام سودے ادھار ہوا کرتے تھے، اور ان علماء کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے سونے چاندی کی خرید و فروخت ناجائز تھی؛ کیونکہ نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی خرید و فروخت کرنا درحقیقت اس سونے چاندی کی خرید و فروخت تھی جس کی یہ نوٹ رسید تھے۔

چنانچہ یہ "بیع صرف" (یعنی ایسی بیع جس میں ثمن خلقی کے بدلے ثمن خلقی کو خریدایا بیچا جاتا ہے جیسے نقدین (یعنی سونے اور چاندی) کے بدلے سونے اور چاندی کی بیع) تھی، اور "بیع صرف" میں یہ ضروری ہے کہ "بدلین" یعنی خریدی اور بیچی جانے والی دونوں چیزوں پر اسی مجلس میں خریدنے اور بیچنے والے کا قبضہ ہو جائے اور نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی بیع (Sale) میں یہ شرط مفقود (Lost) تھی۔

اسی طرح ان حضرات کے نزدیک نوٹ کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی، اگرچہ لاکھوں روپوں کے نوٹ موجود ہوں۔ اور اسی طرح اگر کوئی نوٹ کے ذریعے سے زکوٰۃ کی ادائیگی کرتا تھا تو اس کی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی تھی

جب تک کہ فقیران نوٹوں کے بدلے میں کوئی چیز خرید نہ لیتا اور اگر فقیر کے استعمال سے پہلے یہ نوٹ گم ہو جاتے یا ضائع ہو جاتے تو بھی اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اور جن علماء کی رائے میں نوٹ ثمن اصطلاحی ہے اُن کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے ثمن خلقی یعنی سونا چاندی کی بیع بلاشبہ جائز ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور نوٹ کی ادائیگی سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور بہت سارے ایسے فقہی مسائل تھے جو صرف نوٹ کی فقہی حیثیت کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے علماء کے درمیان مختلف رہے۔

چنانچہ نوٹ کی فقہی حیثیت کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے عرب و عجم کے علماء حیران و پریشان تھے، جب کبھی مفتیانِ عظام سے نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً کے مفتی احناف، جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا شرعی حکم بیان کرنے سے اپنا عذر یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ "العلم امانة فی أعناق العلماء" یعنی "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے"۔

بہر حال ۱۳۲۳ھ میں سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، رہبر شریعت، مجدد دین و ملت، الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن دوسری مرتبہ حج بیت اللہ شریف کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو وہاں کے علماء کرام رحمہم اللہ نے اس موقع کو غنیمت جان کر آپ علیہ رحمۃ الرحمن کی خدمت میں نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پیش کر دیے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمن نے اپنی عادت کریمہ کے مطابق اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور ان سوالات کے جوابات کو دلائل و براہین

سے مزین و آراستہ کر کے احقاقِ حق فرما دیا۔

اور جب آپ علیہ رحمۃ الرحمن کے تحریر کردہ جوابات عالم اسلام کے مقتدر و معزز علماء کرام رحمہم اللہ کے سامنے آئے تو سب حضرات نے آپ علیہ رحمۃ الرحمن کی اس زبردست تحقیق کو نا صرف قبول کیا بلکہ آپ علیہ رحمۃ الرحمن کو زبردست فقیہ اور قبحر عالم دین گردانا اور ساتھ ہی آپ علیہ رحمۃ الرحمن کی اس تصنیف کو عالم اسلام کے لئے احسان عظیم قرار دیا۔ اور اسی تحقیق کو جسے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آج سے تقریباً سو سال پہلے ہی پیش فرما چکے تھے آج کی جدید اکنامکس (Modern Economics) بھی تسلیم کر رہی ہے۔ اسی طرح سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، رہبر شریعت، مجدد دین و ملت، الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کے اس فتویٰ سے فی زمانہ نوٹ کی نوٹ کے ذریعے کی جانے والی بیع (Exchange of Money) کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے۔

نوٹ کی نوٹ سے بیع کا شرعی حکم

فی زمانہ کرنسی نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہی ہے، لیکن ہر ملک کی کرنسی مقصود کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک علیحدہ جنس ہے؛ کیونکہ کرنسی سے مقصود کاغذ کا ٹکڑا نہیں بلکہ اس سے قوتِ خرید کا ایک مخصوص معیار مراد ہوتا ہے۔ اور شرعاً یہی بات یعنی مقصود یا اصل کا مختلف ہونا ہی اجناس کے مختلف ہونے کا مدار ہے جیسا کہ آٹا، روٹی اور گندم ہر ایک علیحدہ علیحدہ جنس شمار کیے جاتے ہیں اگرچہ اصل کے اعتبار سے یہ سب ایک ہی چیز یعنی گندم ہیں۔ چنانچہ مختلف ممالک کی کرنسی مختلف ناموں کے ساتھ ساتھ قوتِ خرید کا ایک علیحدہ اور مخصوص معیار رکھتی ہیں

اور یہی وجہ ہے کہ جو چیز پاکستانی ایک روپیہ کے بدلے میں ایک ملتی ہے، وہی چیز ایک امریکن ڈالر کے بدلے میں تقریباً ساٹھ کی تعداد میں مل جاتی ہے، اور ایک سعودی ریال کے بدلے میں تقریباً پندرہ یا سولہ تک مل سکتی ہے۔ اسی طرح وہ چیز مختلف ممالک کی کرنسی کے اعتبار سے مختلف تعداد میں خریدی جاسکتی ہے اور یہ تعداد قوت خرید کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل بھی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ قوانین شرعیہ کی روشنی میں جب کسی چیز کے مقصود یا اصل یا بناوٹ میں ایسی تبدیلی آجائے کہ جس کی وجہ سے اس کا نام اور کام بدل جائے تو اسکی جنس کے بدلنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"إن الاختلاف باختلاف الأصل أو المقصود أو بتبدل الصفة"

(الدر المختار "مع" رد المحتار، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۷، ص ۴۳۷)

ترجمہ: "جنس میں اختلاف اصل یا مقصود یا صفت کے بدلنے سے ہوتا ہے۔"

اسی طرح صدر الشریعہ بدرالطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ

اس مسئلہ کو تفصیل سے ارشاد فرماتے ہیں:

"مقصد یہ ہے کہ جنس کے اختلاف و اتحاد میں اصل کا اتحاد و اختلاف معتبر نہیں

بلکہ مقصود کا اختلاف جنس کو مختلف کر دیتا ہے، اگرچہ اصل ایک ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ

روئی اور سوت اور کپڑے کے مقاصد مختلف ہیں، یونہی گیہوں اور اس کے آٹے کو روٹی

سے بیع کر سکتے ہیں کہ ان کی بھی جنس مختلف ہے۔"

(بہار شریعت، ج ۲، حصہ ۱۱، ص ۹۸)

چنانچہ کسی بھی دو اشیاء کی اصلیت اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو اگر ان کے مقصود یا

صفت میں تبدیلی ہو جائے تو ان کی جنسیں مختلف ہو جائیں گی۔ جیسا کہ صدر الشریعہ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ روٹی کی بیج گندم کے ساتھ ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، حالانکہ ان کی اصل ایک ہے صرف بناوٹ میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ان کے نام اور کام میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔

چنانچہ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ جنس شمار کیا گیا، اسی مسئلہ کو مزید تفصیل سے بیان کرتے ہوئے امام سراج الدین عمر ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یصح أيضاً بیع الخبز بالبر وبالذقیق متفاضلاً فی أصح الروایتین عن الإمام، قیل: هو ظاهر المذهب لعلمائنا الثلاثة، وعلیه الفتوی عدداً و وزناً، کیف ما اصطلحوا علیہ؛ لأنه صار بالصنعة جنساً آخر۔"

(النہر الفائق، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۳، ص ۴۷۸)

ترجمہ: "امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق روٹی کی بیج گندم اور آٹے کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، لوگوں میں جس طرح رائج ہو خواہ از روئے عدد بیع کی جائے یا از روئے وزن، اور کہا گیا ہے کہ ہمارے علماء ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا یہی ظاہر مذہب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے؛ کیونکہ روٹی بناوٹ کی تبدیلی کی وجہ سے مختلف جنس ہوگئی۔"

اسی طرح اگر کوئی دو اشیاء کہ جن کی اصل ایک ہو مگر ان کے مقصود میں تبدیلی آجائے تو مختلف جنس شمار کی جاتی ہیں، مثلاً دنبے کا گوشت اور چکیتی اور پیٹ کی چربی کہ ان میں ہر ایک علیحدہ جنس ہے۔

جیسا کہ امام سراج الدین عمر ابن حکیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"صح أيضاً بيع (شحم البطن بالألية) مخففة (أوباللحم)

متفاضلاً؛ لأنها وإن كانت كلها من الضأن إلا أنها أجناس مختلفة

لاختلاف الأسماء والمقاصد"

("النهر الفائق"، كتاب البيوع، باب الربا، ج ۳، ص ۴۷۸)

ترجمہ: "پیٹ کی چربی کو چکتی کی چربی اور گوشت کے بدلے میں کمی بیشی کے

ساتھ بیچنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ یہ سب اشیاء اگرچہ دنبے ہی سے ہیں مگر نام اور مقصود

کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف جنس ہیں"

چنانچہ اسی طرح ہر ملک کی کرنسی کی اصل تو کاغذ ہی ہے مگر ان کے نام، صفت

اور مقاصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اجناس ہیں۔

ایک اہم مسئلہ

چنانچہ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس ہے تو یہ بھی

یاد رہے کہ فی زمانہ رائج نوٹ فلوس (یعنی تانبے اور پیتل کے سکوں) کے حکم میں ہیں۔

اور قوانین شرعیہ کی روشنی میں ایک ہی ملک کے سکوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ خرید

و فروخت جائز ہے، البتہ! ادھار ناجائز ہے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب

"ہدایہ شریف" میں ہے: "يجوز بيع الفلس بفلسين بأعيانهما"

("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، الجزء الثالث، ص ۶۳)

ترجمہ: "ایک متعین سکے کی بیع دو متعین سکوں کے ساتھ جائز ہے"

اسی طرح "کنز الدقائق"، "فتح القدير"، "عنايه"، "كفايه"، "البحر الرائق"،

"النهر الفائق"، "الدر المختار"، "طحطاوی علی الدر" اور "رد المختار" میں ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا عبارت میں "متعین" کی قید اس لئے لگائی ہے، کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس (Species) ہے، چنانچہ جب ایک ہی ملک کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو قدر (Dimension/Weight And Measurement) کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کمی بیشی جائز، اور جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز ہوگا؛ کیونکہ جب سود کی دو علتوں یعنی جنس اور قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی حلال اور ادھار ناجائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام برہان الدین امام ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"إذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء مثل أن يسلم هروياً في هروي أو حنطة في شعير"۔

("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، الجزء الثالث، ص ۶۲)

ترجمہ: "اگر سود کی دونوں علتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے اور دوسری نہ پا جائے تو زیادتی (کمی بیشی) جائز ہے اور ادھار حرام ہے، جیسے کہ ہرات کے بنے ہوئے کپڑے کو ہرات ہی کے کپڑے کے عوض بیچے یا گندم کو جو کے بدلے میں"۔

چنانچہ ایک ہی ملک کے نوٹوں کے آپس میں تبادلہ کے وقت قدر کے مفقود ہونے کی وجہ سے کمی بیشی جائز ہوگی، اور جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز، مثلاً دس روپے کے نوٹ کو بیس روپے یا اس سے کم یا زائد میں ہاتھوں ہاتھ بیچنا جائز ہوگا۔ اور اگر دو مختلف ممالک کی کرنسیز کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے، صرف ایک جانب سے قبضہ کافی ہے۔

چنانچہ صاحب "در مختار" امام علاؤ الدین ہسکفی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی

تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"(باع فلوساً بمثلها أو بدراهم أو بدنانیر، فإن نقد أحدهما جاز)

و إن تفرقا بلا قبض أحدهما لم یجز"

("الدر المختار"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۷، ص ۴۳۳)

ترجمہ: "اگر کسی نے فلوس کو فلوس کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض بیچا

پس ان میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو گیا تو جائز ہے، اور اگر جانبین میں سے کسی ایک پر

بھی قبضہ نہ ہو تو جائز نہیں ہے۔"

کیونکہ نوٹ عددی (گن کر خریدی اور بیچی جانے والی چیز) ہے اور عددی

میں کمی بیشی جائز ہے کما قالوا ساداتنا الحنفیة رحمہم اللہ تعالیٰ:

"لا ربا فی معدودات"

("بدائع الصنائع"، کتاب البیوع، ربا بالنسیئة، ج ۴، ص ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۷، ملخصاً)

یعنی "شمار کر کے بیچی جانے والی اشیاء میں سود نہیں ہوتا۔"

نیز مختلف ممالک کے کرنسی نوٹ کی جنسیں مختلف ہونے کی وجہ سے ان میں

ادھار بھی جائز ہے، جیسا کہ صاحب "ہدایہ" رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم إليه حلّ التفاضل والنساء"

("الهدایة"، کتاب البیوع، باب الربا، الجزء الثالث، ص ۶۲)

ترجمہ: "اور جب سود کی دونوں ہی علتیں یعنی جنس اور قدر نہ پائی جائیں تو کمی

بیشی اور ادھار حلال ہے۔"

سوالات مع خلاصہ جوابات

اب ذیل میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے کیے گئے سوالات اور ان کے جوابات خلاصہ کے طور پر پیش خدمت ہیں:-

سوال نمبر کیا یہ نوٹ مال (Property) ہے یا تحریری اقرار نامہ (Stamp Paper) کی طرح کوئی سند (Cheque) ہے؟

جواب: سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کسی انسائیکلو پیڈیا (Encyclopedia) یا اکنامکس کی کتاب کا حوالہ دینے کے بجائے بحیثیت فقیہ و امام و شیخ الاسلام فقہی اصول و قوانین کی روشنی میں ارشاد فرمایا کہ: "نوٹ کی حقیقت کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جو مال متقوم (Valuable Property) ہے، اور سکہ (Currency) ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رغبت اس کی طرف بڑھ گئی اور یہ حاجت و ضرورت کے وقت کام آنے والی اور ضرورت کے لئے سنبھال کر رکھی جانے والی چیز ہوگئی۔ "ردالمحتار"، "بحر الرائق"، "اور تلوح" میں "مال" کی یہی تعریف کی گئی ہے لہذا نوٹ شرعاً، عقلاً اور عرفاً "مال" ہے، نہ کہ تمسک یا رسید (Receipt) وغیرہ۔ چنانچہ علامہ کمال الدین عبدالواحد ابن ہمام "فتح القدير" میں فرماتے ہیں:

"لو باع کاغذة بألف یجوز و لا یکرہ"۔

(فتح القدير، کتاب الکفالة، ج ۶، ص ۳۲۴)

ترجمہ: "اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے کے بدلے میں بیچے تو

یہ خرید و فروخت بلا کراہت جائز ہے"۔

بہر حال اس کاغذ کے ٹکڑے پر لکھائی وغیرہ کی وجہ سے اس کی اتنی قیمت ہوگئی ہے اور شرعاً اس کی ممانعت بھی نہیں، بلکہ "قرآن کریم" میں واضح دلیل موجود ہے۔

﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (پ ۵، النساء: ۲۹)

ترجمہ کنز الایمان: "مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔"

پھر آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے وضاحت فرمائی کہ مال چار قسم کا ہوتا ہے:-

۱..... وہ اشیاء جو ہر حال میں ثمن (Money) رہیں، جیسے سونا، چاندی وغیرہ۔

۲..... وہ اشیاء جو ہر حال میں بیع (Sold Thing) رہیں، جیسے کپڑے اور چوپائے وغیرہ۔

۳..... وہ اشیاء جن کی ذات میں (Infocus) کوئی ایسا وصف (Description) ہو

جس کی وجہ سے وہ چیز کبھی ثمن کہلاتی ہو اور کبھی بیع۔

۴..... وہ اشیاء جو حقیقۃً متاع (Chattel) ہوں اور اصطلاحاً ثمن (Currency)،

جیسے پیسے کہ جب تک ان کا رواج رہے ثمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائینگے۔

اور نوٹ اسی چوتھی قسم سے ہے؛ کیونکہ اصل میں تو یہ ایک متاع (Chattel)

ہے اور عام بول چال میں ثمن ہے اسی لئے نوٹ کے ساتھ تمسک (Receipt) یا وثیقہ

(Written Agreement) جیسا معاملہ نہیں، بلکہ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔

بہر حال موقع کی مناسبت سے ہم یہاں "فتح القدر" کی مذکورہ بالا عبارت

سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

۲۴/ صفر ۱۳۲۴ھ کو سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "کفل الفقیہ" کے

مُبَیَّضَہ (پہلی مرتبہ لکھی گئی تحریر کو ترتیب دیے جانے کے بعد) کی پروف ریڈنگ کے لئے

کتب خانہ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جید عالم مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ

بیٹھے "کفل الفقیہ" کے مسودہ (First Copy) کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے "فتح القدیر" سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ "لو باع کاغذہ بألف یجوز ولا یکرہ"

(فتح القدیر، کتاب الکفالة، ج ۶، ص ۳۲۴)

یعنی "اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے" تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے:

"أین جمال ابن عبد اللہ من هذا النص الصریح"

ترجمہ: "جمال بن عبد اللہ اس واضح دلیل سے کہاں غافل رہ گیا!....."

کیونکہ جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر کی علیہ

الرحمۃ۔ مفتی حنفیہ تھے تو ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ انہوں نے

جواب میں لکھا کہ "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ (Detail)

کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا حکم دوں۔" موجودہ مفتی حنفیہ مولانا عبد اللہ بن صدیق کا اشارہ

انہیں کی جانب تھا۔

(سوانح امام احمد رضا، ص ۳۱۴)

بہر حال عرب کے علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے تو نوٹ کی حقیقت بیان

کرنے سے معذرت کر کے دیانت داری کا ثبوت دیا اور بقول حضرت سیدنا علی مرتضیٰ

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کہ "لا أدري یعنی میں نہیں جانتا کہنا نصف علم ہے" کہہ

کر لائق تحسین ہوئے۔ لیکن مخالفین میں سے بعض کو سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی

دلائل سے مزین و مبرہن یہ تحقیق اینق ہضم نہیں ہوئی بلکہ نوٹ سے متعلق پوچھے گئے

سوالات کے جوابات میں تصریحات ائمہ کی مخالفت کر کے حکم شرع کچھ کچھ کر دیا جس

کاروشن ثبوت دیوبندی علماء کا سرخیل مولوی رشید احمد گنگوہی ہے، جو دیوبندی حضرات کے نزدیک تمام علوم دینیہ میں منصب امامت پر فائز، نیز فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی زیادہ تبحر عالم اور صاحب "بحر الرائق" کے ہم پلہ و فقیہ النفس تھا۔ (یہ سب دعوے "فتاویٰ رشیدیہ" کے دیباچے میں تحریر کیے گئے ہیں) گنگوہی موصوف سے نوٹ کے بارے میں پوچھے گئے سوالات میں سے دو کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

۱:..... نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور حیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ریو یعنی سود اور ناجائز ہے۔

("فتاویٰ رشیدیہ"، ص ۴۷۶)

۲:..... روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کی رجسٹری یا بیمہ کرادینا ہے۔

("فتاویٰ رشیدیہ"، ص ۴۸۹)

مذکورہ بالا کتاب میں گنگوہی موصوف نے اسی طرح کے مزید اور جوابات بھی

دیے ہیں جن کو شریعت مطہرہ سے کچھ پاس نہیں۔ الامان الحفیظ

۱۳۲۹ھ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "الذیل المنوط لرسالة

النوط" کے تاریخی نام سے ایک مستقل رسالہ جو "کفل الفقیہ" کا تتمہ ہے لکھا، اس

میں گنگوہی موصوف کے مذکورہ فتاویٰ کا جو کہ تصریحات ائمہ کے خلاف ہیں۔

کتب حدیثیہ و فقہیہ مثلاً "ترمذی"، "نسائی"، "احمد"، "ہدایہ"، "فتح القدر"، "عنایہ"،

"عالمگیری"، "در مختار"، "بحر الرائق"، "نہر الفائق"، "شامی"، "فتاویٰ قاضی خان"

وغیرہ کی روشنی میں وہ اٹھارہ محققانہ رد فرمائے کہ اہل علم حضرات کی آنکھیں ٹھنڈی

ہو گئیں اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر بجالائے کہ انہیں ایسے زبردست، مایہ ناز، محقق

وفقیہ اعظم کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا شرف ملا۔

علامہ عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی اس بارے میں ایک طویل فتویٰ جاری کیا تھا جو ان کے فتاویٰ کی جلد دوم میں چھبیسواں فتویٰ ہے۔ موصوف ایک تبحر عالم تھے لیکن ان کی تحقیق (Research) اس بارے میں ائمہ کرام کی تصریحات کے خلاف واقع ہوئی، چنانچہ علمی غلطیوں سے چشم پوشی کر جانا ایک مجدد کی شان سے بعید ہے؛ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ شانہ مجتہد دین کو پیدا ہی اس لئے کرتا ہے کہ دین میں جب غلط باتیں شامل کی جا رہی ہوں تو مجتہد اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علامہ عبدالحی کے فتویٰ پر دلائل کی روشنی میں محققانہ انداز سے ایک سو بیس اعتراضات (Objections) پیش کیے ان بلند پایہ اباحت کو دیکھ کر مصنف پر مجتہد ہونے کا گمان گزرتا ہے، لیکن آپ علیہ الرحمۃ نے اس انعام خداوندی کا اظہار یوں فرمایا: "وللہ الحمد، بایں ہمہ حاشانہ فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا پاسنگ، ان کی خاک نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا ہے۔ اس فتویٰ اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔"

سوال نمبر ۲: جب نوٹ کی مالیت نصاب زکوٰۃ (Minimum Amount of Property Liabile for paying Zakat) تک پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو نوٹ پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

جواب: چونکہ بعض حضرات کے نزدیک نوٹ کی حیثیت رسید کی سی تھی، لہذا ان کے

نزدیک نوٹ پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی؛ کیونکہ قوانین شرعیہ کی رو سے مال اگر کسی کو قرض دیا گیا ہو تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی کہ جب تک اس مال کے پانچویں حصہ پر قبضہ نہ کر لے۔ چنانچہ اس مسئلے کو ذہن میں رکھتے ہوئے جواب ارشاد فرمایا کہ نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے کہ وہ خود قیمتی مال (Valuable Property) ہے دستاویز یا قرض کی رسید نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضے میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو، اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی (Terminological Currency) جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے۔ اس سوال سے اس وہم کا ازالہ بھی مقصود تھا جو کہ بعض لوگوں کے غلط فتویٰ کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ چونکہ نوٹ سونے چاندی کی رسید ہے اس لئے فقیر جب تک ان نوٹ کو خرچ نہ کر لے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر بالاتفاق فقیر کے استعمال سے پہلے یہ نوٹ فقیر سے ضائع ہو گئے تو بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہذا امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ نوٹ خود قیمتی مال ہے، مطلقاً فقیر کو از روئے تملیک حوالے کرنا زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے کافی ہے۔

سوال نمبر ۳: کیا اسے مہر (Dower) میں دینا درست ہے؟

جواب: یہ سوال اس لئے کیا گیا تا کہ یقینی طور پر واضح ہو جائے کہ نوٹ "مال" ہے کیونکہ شرعی قوانین کے مطابق مہر میں وہی چیز دی جاسکتی ہے جو کہ بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور بیع میں ثمن وہی چیز بن سکتی ہے جو کہ "مال" ہو۔ چنانچہ آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے جواباً ارشاد فرمایا کہ "نوٹ مہر میں دیا جاسکتا ہے"۔

سوال نمبر ۴: اگر کوئی اسے محفوظ مقام سے چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹنا واجب

ہوگا یا نہیں؟

جواب: نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ حد جاری ہونے کی دیگر شرائط بھی پائی جائیں؛ کیونکہ نوٹ "مال" ہے۔ یہ سوال بھی اسی لیے کیا گیا تھا کہ نوٹ کا "مال" ہونا متیقن ہو جائے۔

سوال نمبر ۵: اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کر دے تو اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

جواب: اس سوال سے بھی اس بات کی وضاحت طلب کرنا مقصود تھی کہ نوٹ رسید ہے یا ثمن اصطلاحی؟ کیونکہ قوانین شرعیہ کی رو سے صرف مال ہی کے ضائع کرنے پر تاوان لازم آتا ہے، چنانچہ اگر نوٹ مال ہو تو تاوان ہوگا اور صرف رسید یا تمسک ہو تو تاوان لازم نہ ہوگا، نیز یہ کہ نوٹ کی ثمنیت چاندی کی ثمنیت کی طرح ہے یا اس سے درجے میں کم ہے، تو اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمن نے جواباً ارشاد فرمایا کہ "کوئی کسی کا نوٹ ضائع (Destruction) کر دے تو اس کے تاوان (Penalty) میں نوٹ ہی دینا لازم آئے گا، اور ضائع کرنے والے کو خاص چاندی کا روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا"۔ اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن کے اس جواب سے یہ بات واضح ہوئی کہ "نوٹ کے بدلے نوٹ ہی دیا جائے گا؛ کیونکہ تاوان کی ادائیگی میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جب کسی چیز کا مثل (Similar Thing) دیا جانا ممکن ہو تو اس کی قیمت کی طرف پھرنا جائز نہیں، ہاں! اگر مثلی چیز دینے پر قادر نہ ہو تو اس کا بدل بھی دیا جانا جائز ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ چاندی نوٹ کا بدل ہو سکتی ہے"۔

سوال نمبر ۶: کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں یا سونے کی اشرفیوں یا تانبے کے پیسوں

کے بدلے میں بیچنا جائز ہے؟

جواب: چونکہ بعض لوگوں کے نزدیک نوٹ مال نہ تھا، بلکہ یہ تو سونے چاندی کی رسید تھی، لہذا اس کے ذریعے سے سونے چاندی کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں تھی، جیسا کہ ہم نے ابتدائی سطور میں اس بات کو ذکر کیا ہے۔ لہذا اس سوال سے لوگوں کے غلط فتویٰ کی وجہ سے پیدا ہونے والے وہم کا ازالہ مقصود تھا، چنانچہ امام اہلسنت مجدد دین و ملت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس وہم کا ازالہ فرمایا بلکہ اس کے علاوہ وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب بھی پیشگی دیدیا۔ وہ اعتراض کچھ اس طرح سے ہے کہ بیچی جانے والی شے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال مقوم ہو اور اس کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہو، جبکہ نوٹ میں جو کاغذ استعمال ہوتا ہے اس کی قیمت ایک پیسے کے برابر بھی نہیں ہوتی، لہذا نوٹ کی خرید و فروخت درست نہیں ہونی چاہیے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نوٹ سے سونے کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے یعنی دراہم خریدنا جائز ہے، جیسا کہ تمام شہروں میں اس پر عملدرآمد ہے۔ اور دوسرے اعتراض کو چار طریقوں سے رفع فرمایا۔

اول: اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شے کی اصل مالیت کا اعتبار نہیں، بلکہ آج کل اس کی جو قیمت ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں: اصل کے لحاظ سے اگرچہ وہ کاغذ کا ٹکڑا واقعی ایک پیسے کا بھی نہیں، لیکن اصطلاحی طور پر تو آج اس کی مالیت سویا ہزار روپے کی ہے، لہذا موجودہ مالیت کو دیکھا جائے گا نہ یہ کہ اصل میں کیا ہے۔

دوم: مٹی کے برتن مسلمانوں میں بکتے اور خریدے جاتے ہیں ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں۔

سوم: خود دھات کے بنے ہوئے پیسے کی جو مردّجہ قیمت ہے وہ اس کی اصل کے لحاظ سے نہیں، یوں تو پیسے کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں رہتی کہ اصل کے لحاظ سے خود پیسے کی قیمت بھی ایک پیسہ نہیں ہے۔

چہارم: عالم دین کی شرعاً عقلاً عرفاً تعظیم کی جاتی ہے حالانکہ اصل میں وہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح بے خبر پیدا ہوا تھا۔

مزید برآں "کفایہ"، "فتح القدر"، "ردالمحتار"، "بحر الرائق"، "کشف کبیر"،

"تنویر الابصار"، "قنیہ"، "ظہیریہ"، "درر وغرر"، "غنیۃ"، "شرنبلا لی"، "طحطاوی" اور

"درمختار" وغیرہا کتب سے اس مسئلے کا تسلی بخش اور مدلل جواب دیا۔

سوال نمبر ۷: اگر نوٹ کے عوض کپڑے خریدے جائیں تو یہ خرید و فروخت بیع مطلق

(Absolute Sale) کہلائیگی یا مقایضہ (Barter Sale)؟

جواب: نوٹ ثمن اصطلاحی ہے، تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا، بلکہ بیع مطلق

ہوگا، اور خاص وہی نوٹ دینا لازم نہ آئے گا، بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

سوال نمبر ۸: کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے اگر جائز ہے؟ تو ادائیگی قرض کے

وقت نوٹ ہی واپس کیے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

جواب: نوٹ قرض دینا جائز ہے؛ کیونکہ نوٹ مثلی شے (Similar Thing) ہے، اور

اس کی ادائیگی مثلی اشیاء ہی سے کی جائے گی، بلکہ ہر قرض اپنی مثل ہی سے ادا کیا جاتا

ہے۔ ہاں البتہ! اگر قرض دیتے وقت شرط نہ کی گئی تھی، بلکہ ادائیگی کے وقت ادا کرنے

والے نے کسی اور صورت میں ادائیگی کرنا چاہی اور لینے والا بھی راضی ہو گیا تو جائز ہے۔

سوال نمبر ۹: کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت تک کے

لئے ادھار بیچنا جائز ہے؟

جواب: نوٹ کو چاندی کے دراہم کے بدلے میں ادھار بیچنا جائز ہے جب کہ اسی مجلس میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں چنانچہ اس موقف پر سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے کتب فقہیہ کی روشنی میں زبردست دلائل دیے اور اس مسئلے کے متعلق پوری فقہ حنفی کا نچوڑ بیان کر کے رکھ دیا، بہر حال اس سوال کے جواب میں آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے جس انداز میں دلائل کے انبار لگائے ہیں وہ آپ کی فقہی مہارت تامہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

سوال نمبر ۱: کیا اس نوٹ میں بیع سلم (V. alivrer) جائز ہے؟

جواب: شرعی اصول و قوانین کی روشنی میں ثمن میں بیع سلم جائز نہیں؛ کیونکہ یہ متعین نہیں ہوتے، اور اسی وجہ سے سونا چاندی میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے، اور نوٹ بھی ثمن اصطلاحی ہیں، لہذا اس اعتبار سے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہونی چاہیے مگر سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے فرمایا کہ "نوٹ میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب ان کی ثمنیت باطل کر دی جائے تو یہ کاغذ کے ٹکڑے ہونے کی وجہ سے متعین ہو جائیں گے، ہاں البتہ! امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایتِ نادرہ "بحر" میں اس کے خلاف آئی ہے۔" پھر آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے اس موقف پر بھی "ہدایہ شریف"، "فتح القدیر"، "درمختار" اور دیگر کتب فقہیہ کی روشنی میں بحث کی، نیز دلائل عقلیہ و نقلیہ سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے اثبات کو امام محمد رحمہ اللہ کے انکار پر ترجیح دی، اور ثابت کیا کہ اس باب میں فتویٰ شیخین رحمہما اللہ کے قول پر دینا چاہیے۔

سوال نمبر ۱۱: کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ مثلاً

بارہ کانوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا؟

جواب: نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے کم یا زیادہ جتنے پر بھی خریدنے اور بیچنے والے

راضی ہو جائیں، اس کا بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ نوٹوں

کا مخصوص قیمت سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح (Terminology) کی وجہ

سے پیدا ہوا ہے، یعنی سو روپے کا نوٹ صرف اس لئے سو روپے کا کہلاتا ہے کہ عرف عام

میں اسے سو روپے کے برابر سمجھا جاتا ہے اور خریدنے اور بیچنے والے پر کوئی تیسرا زبردستی

نہیں کر سکتا؛ کیونکہ اس تیسرے کو ان دونوں پر کوئی ولایت (GuardianShip)

حاصل نہیں، جیسا کہ "ہدایہ" اور "فتح القدر" کے حوالے سے گزر چکا کہ بائع و مشتری

(Seller & Purchaser) کو اختیار ہے کہ کم یا زیادہ جتنی قیمت چاہیں مقرر کر لیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن کے بیان کردہ مسئلے سے بعض کو سود (Usury)

کا اشتباہ ہو سکتا تھا چنانچہ آپ علیہ رحمۃ الرحمن نے اس مسئلہ کی بھی وضاحت فرمادی کہ

سود کی دو علتیں (Causes) ہیں، ایک جنس اور دوسری قدر (یعنی کسی چیز کا مکیلی، یعنی

ناپ کر بکنا یا موزونی یعنی وزن سے بکنا)، اگر کسی چیز کے کسی دوسری چیز سے تبادلے

میں قدر (Dimension) اور جنس (Species) دونوں یکساں ہوں تو کمی بیشی اور

ادھار دونوں حرام۔ اور اگر جنس و قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی حلال

اور ادھار حرام، اور نوٹ کی نوٹ سے خرید و فروخت میں سود کی دو علتوں میں سے صرف

ایک علت یعنی جنس پائی جاتی ہے، لہذا کمی بیشی جائز اور ادھار ناجائز ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کثیر کتب فقہیہ کی روشنی میں نوٹ کا کم اور

زیادہ پر بیچنا جائز ثابت کیا اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتویٰ جو اس کے خلاف تھا

اس کی اصلاح فرمائی۔ اور آگے چل کر قوانین شرعیہ کی روشنی میں ایسے چھ شرعی حیلے (Stratagems) بیان کیے کہ جن پر عمل کر کے کثیر منافع حاصل کیے جاسکتے ہیں اور سود سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر فقہاء کرام کے بیان کردہ ان طریقوں پر ہمارے ارباب حل و عقد توجہ فرمائیں تو آج نہایت آسانی سے بینکنگ کے نظام کو شریعت مطہرہ کے عین مطابق زیادہ منافع بخش بنایا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ۱۲: کیا یہ صورت کہ زید جب عمرو سے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے کہ چاندی کے روپے تو میرے پاس نہیں البتہ دس کانوٹ چاندی کے بارہ روپوں کے عوض تجھے ایک سال تک قسطوں (Instalment) پر بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے ایک روپیہ بطور قسط ادا کرو گے جائز ہے؟ یا پھر یہ صورت کہ دکان حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے، اور اگر یہ صورت جائز ہے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور وہ حرام ہے، حالانکہ دونوں سے مقصود (Intended) زائد مال کا حصول ہے۔

جواب: مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "اگر دونوں حقیقۃً بیع ہی کی نیت سے لین دین کریں اور قرض کی نیت نہ کریں تو یہ صورت جائز ہے، نیز اس صورت میں کمی بیشی اور مدت معینہ (Term) تک ادھار بھی جائز ہے۔" کیونکہ نوٹ کاغذ کی جنس سے ہے اور روپے چاندی کی جنس سے، چنانچہ دونوں کی جنسیں مختلف ہوئیں اور ان میں قدر بھی مشترک نہیں؛ کیونکہ دونوں ہی گن کر بکنے والی چیزیں ہیں، اور گن کر بکنے والی اشیاء میں سود نہیں ہوتا، جیسا کہ شروع میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے لہذا ان دونوں کے تبادلے میں کمی بیشی اور ادھار دونوں ہی جائز ہیں۔ جیسا کہ ہم ان سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط

بندی بھی ایک قسم کی مدت معین کرنا ہی ہے یہ بھی جائز ہے، ہاں.....! اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ یا گیارہ روپے اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے؛ کیونکہ یہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا گیا۔ اور بے شک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((کل قرض جر منفعة فهو ربا))

ترجمہ: ”جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔“

(کنز العمال، کتاب الدین والسلم، رقم الحدیث: ۱۵۵۱۲، ج ۶، ص ۹۹)

گویا اس صورت میں تجارت جائز اور قرض ناجائز ہے۔

اس کے بعد کتب حدیثیہ و فقہیہ کی روشنی میں امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نظریات واضح فرمائے اور ہر پہلو سے مسئلہ کی حقیقت کو روشن کر دکھایا۔ سود کی حد بندی کر کے جائز طریقوں پر نفع حاصل کرنے کی صورتیں بھی تحریر فرمادیں اور اس اعتراض ”تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور وہ حرام ہے؟“ کا جواب بھی ارشاد فرمادیا۔

اب آئیے! سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کے اس مبارک رسالے ”کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدرہم“ کا ترجمہ بنام ”کرنسی نوٹ کے مسائل“ ملاحظہ فرمائیں۔

تبعہ کتب اعلیٰ حضرت

المدينة العلمية

کفل الفقیہ الفامہ فی احکام قرطاس الدراہم

سوال: "اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے" کرنسی نوٹ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس سے متعلق چند باتیں دریافت کرنی ہیں۔

1۔ کیا یہ نوٹ مال (Property/Money) ہے یا تحریری اقرار نامہ کی طرح کوئی سند؟

2۔ جب نوٹ کی مالیت نصابِ زکوٰۃ (Minimum Amount of Property

Liabie for paying Zakat) تک پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو

نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

3۔ کیا اسے مہر میں دینا درست ہے؟

4۔ اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹنا^(۱) واجب ہوگا یا نہیں؟

5۔ اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کر دے تو اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا

چاندی کے روپے^(۲) بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

۱..... اگر کوئی شخص دس درہم کے برابر یا اس سے زائد قیمت کی شے کسی محفوظ مقام سے چوری کرے تو

شریعت میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲..... اس زمانے میں روپے چاندی سے، اشرفیاں سونے اور پیسے عموماً تانبے وغیرہ سے بنائے جاتے تھے۔

6- کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں یا سونے کی اشرفیوں یا تانبے کے پیسوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے؟

7- اگر نوٹ کے عوض کپڑے خریدے جائیں تو یہ خرید و فروخت بیع مطلق (۱) ہوگی یا مقایضہ (۲)؟

8- کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ادائیگی قرض کے وقت نوٹ ہی واپس کئے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

9- کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت تک کے لئے بطور قرض بیچنا جائز ہے؟

10- کیا اس نوٹ میں بیع سلم (۳) جائز ہے۔

11- کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے، مثلاً بارہ کا نوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا؟

12- جب ایک شخص زید دوسرے شخص عمرو سے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے کہ چاندی کے

۱..... "بیع مطلق" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے پیسے کے بدلے کوئی سامان وغیرہ خریدا یا بیچا جاتا ہے

۲..... "مقایضہ" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے اشرفی نہیں بلکہ ایک سامان کے عوض دوسرا سامان خریدا یا بیچا جاتا ہے۔

۳..... خرید و فروخت میں اگر قیمت پہلے ادا کر دی جائے اور سامان کچھ مدت بعد دیا جائے اسے "بیع سلم" کہتے ہیں۔

روپے تو میرے پاس نہیں البتہ! دس کانوٹ چاندی کے بارہ روپوں کے عوض تجھے ایک سال تک کے لئے قسطوں (Instalment) پر بیچتا ہوں، اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے چاندی کا ایک روپیہ بطور قسط ادا کرو گے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ یا پھر یہ صورت سود کا حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے؟ اور اگر یہ صورت جائز ہے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور سود حرام؟ حالانکہ دونوں سے مقصود زائد مال کا حصول ہے۔ ہمیں جو اب عطا فرما کر بروز قیامت اجر حاصل کیجئے۔

الجواب

اللقم لك الحمد يا و هاب

الہی ہمارے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو تیری طرف بہت ہی رجوع کرنے والے ہیں ان پر اور ان کی آل و ازواج مطہرات اور تمام صحابہ کرام پر رحمت اور سلامتی نازل فرما، میں تجھ سے حق اور درستی کی رہنمائی کا سوال کرتا ہوں۔

اے سوال کرنے والے (اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو توفیق عطا فرمائے اور ہماری

رہنمائی فرمائے) یہ جان لو کہ نوٹ نہایت جدید اور نئی چیز (New Invention) ہے،

تمہیں علماء کرام کی کتب میں اس کا ذکر بھی نہیں ملے گا، یہاں تک کہ ماضی قریب کے

فقہیہ علامہ (The Religious Lawyer of Islam) ابن عابدین شامی۔ رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ۔ اور ان کے ہم عصر علماء کی کتب بھی نوٹ کے ذکر سے خالی ہیں مگر اللہ تعالیٰ

ہمارے ان ائمہ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ کی محنت قبول فرما کر ہمیں ان کی برکتوں سے فیضیاب فرمائے جنہوں نے اس دین اسلام کے مسائل کافی تفصیل سے بیان فرمادیئے ہیں، اور اب یہ شریعت اس قدر روشن ہو چکی ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ الحمد للہ! علماء کرام نے ایسے قواعد (Rules) ترتیب دیئے ہیں جن کے ذریعے سے بے شمار مختلف نوعیتوں کے مسائل کے شرعی احکام معلوم کئے جاسکتے ہیں، اگرچہ نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہے گا، مگر ان کے شرعی احکام ان احکامات کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں گے جو ہمیں ائمہ کرام سے حاصل ہوئے، اور اگر اللہ نے چاہا تو ہر دور میں ایسے علماء موجود ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کتاب و سنت اور ائمہ کے بنائے ہوئے قواعد سے نئی پیدا شدہ چیزوں کے شرعی احکامات نکالنے (Extraction) کی توفیق عطا فرمائے گا۔

بعض لوگ ذہن کے تیز ہوتے ہیں اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں اور انسان کبھی غلطی کرتا ہے کبھی درستی (Accuracy) تک پہنچتا ہے اور علم تو اسی نور کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہے ڈال دے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق اور ہدایت طلب کرنا نہایت ضروری ہے اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، ہمیں اس پر اور پھر اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھروسہ ہے۔

اور بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ بزرگ و برتر اور خوب کرم فرمانے والا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرمائے.....!

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں؛ کیونکہ اسی کی توفیق سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا ممکن ہے کہ آپ کا پہلا سوال آپ کے تمام سوالات کی اصل و بنیاد (Base) ہے؛ کیونکہ جب نوٹ کی حقیقت آشکار ہو جائے گی تو اس سے متعلق تمام احکام بھی واضح ہو جائیں گے۔

نوٹ کی حقیقت کا بیان

کرنسی نوٹ کی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ ایک قیمت والا مال ہے، اور اس پر مہر لگنے کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہو گئے، اور اسے ضرورت کے وقت کیلئے جمع کر کے رکھنے لگے۔

اور مال کی تعریف (Defination) بھی یہی ہے کہ "لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اسے ضرورت کے وقت کیلئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو"، جیسا کہ فقہ کی معتبر کتب "بحر الرائق" اور "فتاویٰ شامی" (۱) وغیرہ میں ہے۔

(رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب: فی تعریف المال والملك المتقوم، ج ۷، ص ۸،)

نیز یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے جس طرح مسلمانوں کو شراب اور خنزیر سے نفع اٹھانے سے منع کیا ہے اس طرح سے کاغذ کے ٹکڑوں سے اپنی مرضی کے مطابق نفع اٹھانے سے منع نہیں کیا، اور کسی چیز کے قیمت والے مال ہونے کا

..... "فتاویٰ شامی" علامہ ابن عابدین شامی - علیہ الرحمہ - کی گراں قدر تصنیف ہے جو کہ "رد المحتار" کے نام سے موسوم ہے۔

دار و مدار اسی بات پر ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے اس سے نفع اٹھانے سے منع نہ کیا ہو، جیسا کہ "فتاویٰ شامی" میں ہے۔

مال کی تعریف

اسی "فتاویٰ شامی" میں اصول فقہ کی معتبر کتاب "تلویح" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مال وہ چیز ہے جسے وقت حاجت کے لئے جمع کیا جائے اور مال کے لئے اس کا قیمت والا ہونا ضروری ہے۔"

("رد المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: فی تعریف المال والملك المتقوم، ج ۷، ص ۸،)

اور اسی "فتاویٰ شامی" میں "بحر الرائق" اور "الحاوی القدسی" کے حوالے سے منقول ہے کہ "آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز مال کہلاتی ہے جسے آدمی کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے حفاظت سے رکھا جانا ممکن ہو اور آدمی اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکے۔"

("رد المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: فی تعریف المال والملك المتقوم، ج ۷، ص ۸،)

نوٹ کا جزئیہ

محقق علی الاطلاق علامہ ابن الہمام "فتح القدير" (۱) میں فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو یہ بیع بلا کراہت جائز ہے۔"

("فتح القدير"، کتاب الکفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج ۶، ص ۳۲۴)

.....فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" کی شرح۔

اور اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بذات خود یہی قول کرنسی نوٹ کی اصل ہے (۱) جسے امام ابن ہمام - رضی اللہ عنہ - نے نوٹ ایجاد ہونے سے ۵۰۰ سال پہلے ہی پیش فرما دیا تھا، اور نوٹ بھی تو کاغذ کا وہی ٹکڑا ہے جو ہزار روپے میں بکتا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، ایسی کرامات (Miracles) تو ہمارے علماء کرام - رحمہم اللہ - سے صادر ہوتی ہی رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں انکی برکات سے فیضیاب فرمائے.....!

آمین.....!

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور اسے ہبہ (Donate/Gift) کیا جاتا ہے، اور نوٹ میں وراثت (Inheritance) بھی جاری ہوتی ہے، نیز مال کے تمام احکامات بھی اس پر جاری ہوتے ہیں۔

نوٹ کے رسید ہونے کا مطلب

میں کہتا ہوں کہ یہ گمان بالکل غلط ہے کہ نوٹ تحریری اقرار نامہ کی طرح کوئی رسید ہے۔ رسید کا مطلب یہ ہے کہ جو گورنمنٹ اسے رائج کرتی ہے وہ نوٹ لینے والوں سے (سونا یا چاندی) کے روپے قرض لیتی ہے، اور انہیں ثبوت کے طور پر قرض کی مالیت کے نوٹ دے دیتی ہے اور جب وہ لوگ گورنمنٹ کو نوٹ واپس کر دیں تو گورنمنٹ انکا

..... یعنی اسی ارشاد سے کرنسی نوٹ کے شرعی حکم کا پتا چل جاتا ہے۔

قرض واپس ادا کر دیتی ہے، اور اگر یہ لوگ عوام میں سے کسی کو یہ نوٹ دے دیں تو گورنمنٹ ان دوسروں سے قرض لے کر ان پہلے لوگوں کا قرض ادا کر دیتی ہے، تو وہ لوگ ان دوسروں کو بطور ثبوت یہ نوٹ دے دیتے ہیں تاکہ وہ ان نوٹوں کے ذریعے سے مقروض گورنمنٹ سے اپنا قرض وصول کر سکیں۔ اسی طرح سے قرض جتنے لوگوں کے ہاتھوں میں جائے گا قرض اور رسید کا تکرار (Repetition) ہوتا رہے گا، نوٹ کے رسید ہونے کے تو یہی معنی ہیں۔

حالانکہ ایک سمجھدار بچہ بھی یہ بات جانتا ہے کہ جو لوگ نوٹ کا لین دین کرتے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں ان باتوں کا خیال تک نہیں آتا، اور نہ ہی کبھی اس لین دین سے قرض یا تحریری اقرار نامہ کا ارادہ کرتے ہیں، نیز آپ نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہوگا جو لوگوں کو قرض دیتا ہو اور اپنے قرض کے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھے جس نے نوٹ دیکر اس سے چاندی کے روپے وصول کئے ہوں، اور اپنی زندگی بھر میں اس سے یہ کہا ہو کہ تم میرا قرض ادا کر کے اپنی رسید مجھ سے وصول کر لو، اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو دیکھا ہوگا جو لوگوں کا مقروض ہو اور اپنے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھتا ہو جسے نوٹ دیکر اس نے روپے وصول کئے ہوں، اور مرتے وقت کہتا ہو کہ فلاں کا مجھ پر اتنا قرض ہے، اسے ادا کر کے میری رسید اس سے واپس لے لینا۔

وہ ظالم و بے باک لوگ جو اعلانیہ سود کھاتے ہیں اور قرض وصول ہونے تک سود کی ماہوار شرح مقرر کئے بغیر کسی کو ایک روپیہ بھی قرض نہیں دیتے، وہ لوگ بھی نوٹ لے کر چاندی کا روپیہ دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی زائد نہیں مانگتے، نہ مہینے کے بعد اور نہ ہی سال کے بعد۔ اگر وہ اسے قرض سمجھتے تو زائد رقم وصول کرنا ہرگز نہ چھوڑتے۔

پس حق یہ ہے کہ سب لوگ نوٹ سے لین دین اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں، نوٹ دینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے لے کر نوٹ اپنی ملک (Ownership) سے خارج کر چکا ہوں، اور نوٹ لینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دیکر نوٹ کا مالک (Owner) ہو گیا، اور وہ شخص نوٹ کو روپوں، اثرفیوں اور پیسوں کی طرح اپنا مال اور پونجی (Wealth) سمجھتا ہے، اور اسے جمع کر کے رکھتا ہے، اور ہبہ کرتا ہے، اور اس کے بارے میں وصیت (Will) کرتا ہے، اور اسے صدقہ کرتا ہے، اور لوگ اسے خرید و فروخت ہی سمجھتے ہیں، اور تجارت ہی کا قصد کرتے ہیں۔

یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ لوگوں کے معاملات میں ان کی نیتوں کا اعتبار ہوتا ہے؛ کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں ہی پر ہے، اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

("صحیح البخاری"، کتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله

ﷺ، رقم الحديث: ۱، ج ۱، ص ۶)

لہذا ثابت ہوا کہ لوگوں کے نزدیک نوٹ ایک قیمت والا مال ہے، اسے حفاظت سے رکھا اور جمع کیا جاتا ہے، اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور اس پر قیمت والے مال کے تمام احکام نافذ ہوتے ہیں۔

کرنسی نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا بیان

جہاں تک نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا تعلق ہے، مثلاً ایک کاغذ کا ٹکڑا دس روپے کا،

دوسرا سو روپے اور تیسرا ہزار کا، تو میں اس کے بارے میں یہ کہوں گا کہ ہم "فتح القدر" کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ "کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا جاسکتا ہے اور

اس کے جائز ہونے کے لئے فقط خریدار اور فروخت کنندہ کا راضی ہونا ہی کافی ہے" پھر

نوٹ کے تو کیا کہنے کہ جس کے طریقہ استعمال پر تمام لوگ راضی ہوں، اور کاغذ کے ان

ٹکڑوں کی یہ قیمت اپنی اصطلاح میں مقرر کر لیں، نیز گورنمنٹ اسٹامپ شرع مطہر کے

نزدیک بھی قابل قدر ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کسی شخص نے مہر والے چاندی کے

دس روپے (Old Currency) چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، حالانکہ اگر کوئی

شخص دس درہم کے وزن کے برابر چاندی جس پر مہر نہ لگی ہو اور اس کی قیمت دس درہم

سے کم ہو چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (۱) جیسا کہ "ہدایہ" اور عامہ کتب

..... گویا درہموں میں موجود چاندی جو دراصل ۱۰ درہم سے کم کی ہے لیکن مہر لگنے سے اس کی قیمت

چاندی کی قیمت دس درہم مان لی گئی، اسی طرح کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت بالفرض ایک روپیہ ہے

لیکن اس پر مہر لگنے سے اس کی قیمت مثلاً ۱۰۰۰ روپے مان لی جائے تو یہ درست ہے اور اب شرع =

میں اس پر دلیل مذکور ہے۔

("الهدایة" شرح فی "بداية المبتدی"، کتاب السرقة، ج ۲، ص ۳۶۲)

اسی طرح سے ایک روپے (One Rupee of Silver) میں مہر والے جتنے پیسے (Stamped Coins) ہوتے ہیں اگر تم ان کے وزن کے برابر تانبا تولو، تو وہ ہرگز ایک روپے کی قیمت کا نہیں ہوگا، بلکہ بعض اوقات تو وہ تانبا اٹھنی (Coin of 50 paisa) کی قیمت کا بھی نہیں ہوتا، اور تم چاندی کے سکوں میں بھی ایسا تجربہ کر سکتے ہو۔ کچھ عرصہ پہلے ہمارے ملک میں چاندی کے دو روپے کی ہم وزن چاندی ایک روپے میں بکتی تھی اور جاہل لوگ اس میں پائے جانے والے سود کے وبال کو فراموش کر کے چاندی خریدتے تھے (۱)، جب مہر لگنے سے چاندی کی قیمت گنی ہوگئی تو اب گنی اور چار گنا زیادتی سب برابر ہے، اور یہ بات بھی ہر عقل سلیم رکھنے والے پر ظاہر ہے کہ بعض اوقات کوئی حقیر شے کسی وصف یا اضافی خوبی کی بنا پر اپنے جیسی ہزاروں چیزوں سے مہنگی اور زیادہ قیمتی

= کے نزدیک بھی اس کی قیمت ۱۰۰۰ روپے ہوگی، یعنی چاندی کی قیمت تو دس درہم سے کم ہے لیکن اس کا وزن دس درہموں کے برابر ہے۔ تو اگر اس پر مہر (Stamp) نہ لگی ہو تو اسے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر مہر ہو تو چونکہ مہر کی وجہ سے اس کی قیمت دس درہموں کے برابر ہو جائے گی، لہذا اسے چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا؛ کیونکہ شرع مطہر میں کم از کم دس درہم یا اس کی مالیت کے برابر شے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

۱..... اگر چاندی کو چاندی کے بدلے اور سونے کو سونے کے بدلے بیچا جائے تو ضروری ہے کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اگر وزن میں کمی بیشی ہوگی تو شریعت میں سود (Usury) شمار ہوگی۔

ہو جاتی ہے، جیسا کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی کنیز کو دو لاکھ سے زائد قیمت میں خریدا گیا اور دوسری کنیز کو کوئی چاندی کے ۳۰ روپوں میں بھی خریدنے کو تیار نہیں، حالانکہ شرع میں اوصاف کی قیمت نہیں ہوتی بلکہ ذات (Infocus) کی ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر کنیز کے ہاتھ پاؤں جان بوجھ کر ہلاک نہ کیے جائیں تو وہ ثمن (Cost) ذات ہی کا ہے جس ثمن کو رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا ہے۔

کتابت (Writing) مال نہیں

(اب مصنف - علیہ الرحمۃ - اپنے اس دعویٰ پر دلیل بیان کر رہے ہیں دعویٰ یہ ہے کہ کسی شے میں اگر کوئی خوبی پیدا ہو جائے تو اصل شے کی قیمت بڑھ جاتی ہے، چنانچہ کاغذ کے ٹکڑے پر جب (Stamp) لگ گئی تو اس کی قیمت کبھی سو، کبھی ہزار روپے تک ہوگی) چلیے یہ بتائیے کہ اگر کسی کاغذ پر ایک نادر و نایاب علم (Rare Knowledge) لکھا ہو اور کوئی اس علم کا قدردان، اس کا طلبگار ہو، وہ اس کاغذ کو دس ہزار روپے میں خریدے، تو کیا اس نے کوئی خلاف شرع کام کیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ جائز و حلال طریقہ کے مطابق عمل کیا، اور یہ بات قرآن عظیم اور امت مسلمہ کے اجماع سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (پ ۵، النساء: ۲۹)

ترجمہ کنزالایمان: "مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔"

اور یہ دس ہزار جو اس شخص نے ادا کئے وہ اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں؛ کیونکہ وہ تو مال ہی نہیں (۱)، جیسا کہ "ہدایہ" اور ان دیگر کتب میں بھی اس کی تصریح موجود ہے جن میں مسائل کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور "ہدایہ" کی عبارت یہ ہے کہ "قرآن پاک چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہوا ہو کیونکہ لکھائی کے اعتبار سے تو وہ مال نہیں، اور اس کی حفاظت تو الفاظ قرآنیہ کی وجہ سے کی جاتی ہے نہ کہ جلد، ورقوں اور سونے کے نقوش کی وجہ سے؛ کیونکہ یہ چیزیں تو الفاظ کے تابع ہیں، اور کسی قسم کے رجسٹر میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؛ کیونکہ رجسٹر سے مقصود اس میں لکھی جانے والی تحریریں ہوتی ہیں اور وہ مال نہیں ہوتیں، مگر حساب و کتاب کا رجسٹر چرانے کی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا؛ کیونکہ اس میں جو لکھا ہوتا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا، لہذا اس چوری سے مقصود کاغذ ہی ہوتے ہیں" اور کاغذ مال ہے جس کے چرانے پر چوری کی حد کا نصاب پورا ہونے کی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(الہدایۃ، کتاب السرقة، باب ما یقطع فیہ وما لا یقطع، ج ۲، ص ۳۶۴، ۳۶۵،

ملتقطاً)

..... تو جس طرح کنیز کی قیمت میں خوبصورتی وغیرہ سے اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح کاغذ کی قیمت میں "علم" کی کتابت کی وجہ سے اضافہ ہو جاتا ہے، حالانکہ "خوبصورتی" اور "علم" شریعت میں "مال" نہیں، اسی طرح مہر لگنے سے کاغذ کی قیمت میں اضافہ ہو گیا، مہر شریعت کے نزدیک مال نہیں بلکہ ایک وصف ہے جو قیمت میں اضافہ کا سبب ہے۔

لہذا جب کاغذ کے ایک ورق کی قیمت اس تحریر کی وجہ سے دس ہزار تک پہنچ گئی تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہے کہ نوٹ پر لکھائی کے سبب اس کی قیمت دس روپے یا زائد ہوگئی، اور اس وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوئے، شرع نے بھلا اس سے کب روکا ہے.....!

مال (Property) کی چار اقسام اور ان کی فقہی بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئلہ واضح و روشن ہے، بات دراصل یہ ہے کہ "بحر الرائق" وغیرہ کتب میں ہے کہ مال کی چار قسمیں ہیں۔

- 1- وہ مال جو ہر صورت میں ثمن ہی رہے، جیسے سونا اور چاندی یہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے چاہے ان کو کسی شے کے عوض بیچا جائے یا ان کے عوض کسی چیز کو بیچا جائے، اپنی جنس کے بدلے لین دین ہو یا غیر جنس کے بدلے، اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں، جیسے سونے چاندی کے برتن وغیرہ، کہ یہ اس میں ہونے والی بناوٹ (Designing) کی وجہ سے خالص ثمن (Pure Money) نہ رہے، اسی لئے یہ عقد بیع میں متعین (Fixed) ہو جائیں گے، اور ان کی بیع شرعاً بیع صرف (۱) ٹھہرے گی۔

("البحر الرائق" ، کتاب الصرف ، قولہ (ہو بیع بعض الأثمان ببعض) ج ۶ ، ص ۳۲۱)

..... "بیع صرف" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن خلقی (Real Money) کے عوض ثمن خلقی کو بیچا جاتا ہے جیسے سونے کے عوض سونا یا چاندی کے عوض چاندی بیچنا۔

اور اس میں بیع صرف کی تمام شرائط جاری ہوں گی؛ کیونکہ سونا اور چاندی کو
ثمنیت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں تبدیلی نہیں آتی۔

2- وہ مال جو ہر حال میں بیع (Selling Good or Merchandise)

رہے، جیسے کپڑے اور چوپائے؛ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں چیز ان کے بدلے میں
بیچی یا ان کو کسی بھی چیز کے بدلے بیچا جائے، وہ چیز کبھی بھی ذمہ پر دین (قرض) ہو کر
لازم نہیں ہوگی، اور ثمنیت کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ شے ذمہ پر دین ہو کر لازم ہو، لہذا
یہاں یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بیع مقایضہ میں دونوں متاع (Goods) ایک لحاظ سے
ثمن ہوتے ہیں۔ ("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیان

مایکون مبیعا... إلخ، ج ۷، ص ۵۷۴، ملخصاً)

علامہ شامی۔ علیہ الرحمۃ۔ نے علامہ طحطاوی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے

اسی طرح کی توجیہ فرمائی ہے۔

میرے خیال میں یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ کہ سونے سے بنائی گئی

اشیاء، مثلاً برتن یا کنگن بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے، بلکہ عقد (Contract) میں متعین

(Fixed) ہو جاتے ہیں (یعنی جن برتنوں یا کنگنوں کے عوض بیع ہوئی ہے وہی دینا ہوں

گے) جیسے کہ "بحر الرائق" کے حوالے سے گزرا، لہذا اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس

پر اعتراض وارد ہوگا، میرے نزدیک اس کا صاف جواب یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے

بیع ہوتی ہے، ثمن خالص نہیں ہو سکتی، اگرچہ ایک لحاظ سے ثمن بھی ہوتی ہے؛ کیونکہ بیع (Sale) کے لئے بیع اور ثمن دونوں کا ہونا ضروری ہے، بخلاف آئندہ آنے والی قسم کے؛ کیونکہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص بیع، ان دونوں قسموں کے معنی یہی ہیں کہ ان سے ان کا ثمن یا بیع ہونا کسی حالت میں بھی جدا نہ ہو سکے، اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ بھی عارض ہو جاتا ہے، مصنف نے کپڑوں کی گزشتہ مثال کو مطلق رکھا اور شرح و حواشی میں بھی اس کے اطلاق کو برقرار رکھا ہے، حالانکہ اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں برابر نہ ہوں، ورنہ وہ کپڑے تیسری قسم سے ہوں گے جبکہ ان کپڑوں کا ضبط (تعیین) ہو سکے اور یہ ضبط یا تو جنس ذکر کرنے سے ہوگا مثلاً روئی، کتان یا کارخانے کے ذکر سے ہوگا، مثلاً شام و مصر کا کام، یا پارک یا موٹا ہونے سے، یا طول و عرض (لمبائی اور چوڑائی) کی پیمائش سے، یا وزن سے جبکہ وہ کپڑے تول کر بیچے جاتے ہوں (Quality) اور اسی تعیین کی وجہ سے اس میں بیع سلم جائز ہے۔

3- وہ مال جس کی ذات میں ایسا وصف پایا جائے جس کے سبب وہ کبھی بیع ہو اور کبھی ثمن بن جائے، میرا یہ کہنا "تنویر الابصار" کے اس قول کی طرح نہیں کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے بیع (Sold)،

("الدّر المختار" ، کتاب البیوع ، باب الصرف ، ج ۷ ، ص ۵۷۵)

تاکہ مقایضہ والی بات کا اعادہ نہ ہو جائے (کیونکہ یہ بات تو دوسری قسم میں موجود ہے)

بلکہ میں نے اس قید (Restriction) "اس کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جسکے سبب وہ کبھی بیع ہو اور کبھی ثمن" کا اضافہ اس لئے کیا ہے تاکہ یہ مال کی چوتھی قسم سے خارج ہو جائے؛ کیونکہ وہ اپنے اندر پائے جانے والے وصف کی بنا پر نہیں بلکہ اصطلاح اور عدم اصطلاح کی بنا پر کبھی ثمن ہوتی ہے اور کبھی بیع۔

اس تیسری قسم کے مال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو مثلی (Similar Things) کہتے ہیں (مثلی سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں ناپ یا تول کر بیچا جاتا ہے، مثلاً گندم، کھجور، سونا، چاندی، اور مثلی کے مقابل قیمی اشیاء ہیں، اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ناپ یا تول کر نہیں بیچی جاتیں، مثلاً کپڑا، جانور وغیرہ) ان کے خرید و فروخت کی دو صورتیں ہیں:

پہلی یہ کہ ان کی بیع سونے یا چاندی کے عوض کی جائے اس صورت میں یہ مثلی

چیزیں مطلقاً بیع ہوں گی، خواہ بیع میں عوض انہیں ٹھہرایا گیا ہو یا سونے، چاندی کو، اور یہ

چیزیں معین ہوں یا غیر معین، مثلاً اگر تو یوں کہے کہ میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کے

عوض بیچا یا اس طرح کہے کہ اس گیہوں کے عوض بیچا (یعنی یا تو مقدار کا ذکر کر دے یا بیچی

جانے والی شے کو اشارہ کر کے متعین کر دے) تو گیہوں دونوں صورتوں میں بیع ہے،

اگر گیہوں معین (موجود) ہوں تو بیع مطلق ہوگی اور اگر غیر معین (یعنی خرید و فروخت

کے وقت غیر موجود) ہوں تو بیع سلم ہوگی، اور اس میں سلم کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلی چیزوں کو سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور شے

کے عوض بیچا جائے اس صورت میں اگر مثلی چیزوں کے عوض کسی چیز کو بیچنا کہا جائے تو یہ مثلی چیزیں ہر حال میں ثمن ہی رہیں گی، چاہے معین ہوں یا غیر معین، مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوں یا اس گیہوں کے بدلے میں بیچا، گیہوں معین ہوں یا غیر معین دونوں صورتوں میں بیع مطلق ہوگی، اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہو جائے گا، اور اگر یہ کہا جائے کہ میں نے مثلی چیز کو کسی شے کے عوض بیچا تو اگر یہ چیز معین ہو تو ثمن ہے، مثلاً یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے (تو گیہوں ثمن ہیں) اور اگر معین نہ ہو تو مثلی چیزیں بیع ہیں، مثلاً یہ کہا کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے عوض بیچے (تو گیہوں بیع ہیں) حالانکہ یہ صورت سلم کی شرائط پائے جانے کی وجہ سے بیع سلم ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مثلی چیزوں کو اگر سونے اور چاندی کے عوض بیچا جائے تو یہ مثلی چیزیں مطلقاً بیع ہوں گی اور اگر سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور شے کے عوض بیچیں تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔

- (۱) اگر مثلی چیزوں کے عوض کوئی چیز بیچنا کہا تو یہ مثلی چیزیں مطلقاً ثمن ہوں گی۔
- (۲) اور اگر مثلی چیزوں کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا جائے تو اگر یہ معین ہوں تو ثمن ہیں۔
- (۳) اور غیر معین ہوں تو بیع۔ اور یہ علامہ شامی۔ رحمہ اللہ۔ کے کلام کی وضاحت ہے، اس انداز کی وضاحت "فتاویٰ شامی" میں بھی نہیں۔

4۔ مال کی چوتھی قسم وہ ہے کہ حقیقت میں تو متاع (Chattels) ہو مگر رواج کے اعتبار سے ثمن ہو، جیسا کہ پیسے کہ جب تک چلتے رہیں گے ثمن کی طرح ہیں، اور جب ان کا چلن (Current) ختم ہو جائے گا تو یہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے (اور ان کی حیثیت محض دھات کے ٹکڑوں کی سی رہ جائے گی) اور بلاشبہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن قرار دینا چاہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی ثمنیت کی مقدار (Quantity) مقرر کرنے میں ثمنِ خلقی (Real Money) کی طرف رجوع کریں؛ کیونکہ عارضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی کے سبب سے ہوتا ہے، اسی لئے اہل اصطلاح چونٹھ ۶۴ ہندی پیسے یا اکیس ۲۱ عربی ہلے (سکے) ایک چاندی کے روپے کے برابر قرار دیتے ہیں، اور انہیں یہ اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہیں مقرر کر لیں؛ کیونکہ اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

۲۰ سال پہلے ہندوستان میں دو طرح کے سکے رائج تھے (۱) مہر والا سکہ (۲) تانبے کے تکونی شکل والے لمبے ٹکڑے جو کہ وزن میں مہر والے سکے سے ڈبل ہوتے تھے۔ مہر والے پورے ۶۴ سکے چاندی کے ایک روپے کے برابر ہوتے تھے جبکہ تانبے کے ٹکڑوں والے سکے کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، اور بعض اوقات تو ایک روپیہ اس قسم کے ۸۰ سکوں کے برابر ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ ان سکوں کا رواج ختم ہوا اور ان کی ثمنیت (کرنسی ہونے) کی حیثیت بھی ختم ہو گئی اور یہ سب اصطلاح ہی کے سبب ہوا

اور شرع مطہرہ کی طرف سے (اصطلاح مقرر کرنے) میں کوئی روک ٹوک نہیں۔
 اتنی تفصیل کے بعد یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ نوٹ مال کی اس چوتھی قسم میں سے
 ہے؛ کیونکہ حقیقتاً یہ کاغذ کا ٹکڑا ہونے کی وجہ سے متاع (محض سامان) ہے اور اصطلاح
 میں اس کے ساتھ ثمن کی طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے، لہذا یہ اصطلاحی ثمن ہے اور جو رقم
 نوٹ پر لکھی ہوتی ہے وہ ثمنِ خلقی (Real Money) یعنی سونا، چاندی کے مقابلے میں
 نوٹ کی ثمنیت کی مقدار ہوتی ہے اور نوٹ کا ثمن (Currency) ہونا چونکہ ایک
 اصطلاح (Terminology) ہے، لہذا اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی اس کی توجیہ
 کا سبب دریافت کیا جائے گا۔

بحمد اللہ الفتح القدير اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہو گئی، اور
 چونکہ نوٹ کے تمام احکام اسی حقیقت پر مبنی ہیں، لہذا اب ان شاء اللہ عزوجل کسی حکم کے
 اظہار میں کوئی دشواری رکاوٹ نہیں بنے گی۔

اور بے شک تمام خوبیاں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ہر چیز کا نگہبان اور
 عظمتوں والا ہے۔

سوال ۱: نوٹ مال ہے یا تحریری اقرار نامہ کی طرح کوئی سند؟

جواب: آپ کے سوال کا جواب تفصیل سے دیا جا چکا ہے مزید اضافہ کی ضرورت نہیں
 (یعنی نوٹ مال ہے اور گزشتہ چار اقسام میں سے چوتھی قسم کا مال)۔

سوال ۲: جب یہ نوٹ زکوٰۃ کے نصاب (Minimum Amount of

Property Liable for Paying Zakat) تک پہنچ جائیں اور ان پر سال گزر

جائے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

الجواب

جی ہاں.....! زکوٰۃ کی شرائط پائی جائیں تو نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے؛ کیونکہ

آپ جان چکے ہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔ دستاویز یا قرض کی رسید

نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے، زکوٰۃ واجب نہ ہو؛ کیونکہ

قرض وغیرہ کی صورت میں جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ

واجب نہیں ہوتی، اور نوٹ میں تجارت کی نیت کی بھی حاجت نہیں؛ کیونکہ فتویٰ اس بات

پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج رہیں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہے، بلکہ نوٹ سے

تجارت کی نیت جدا ہو ہی نہیں سکتی؛ کیونکہ لین دین کے بغیر ثمن اصطلاحی سے نفع لیا ہی

نہیں جاسکتا اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

"فتاویٰ علامہ قاری الہدایہ" میں ہے کہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ "پیسے جب

تک رائج رہیں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ دو سو درہم (ساڑھے باون

تولے) چاندی یا بیس مثقال (ساڑھے سات تولے) سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں۔"

("فتاویٰ قاری الہدایہ"، مسألة في زكاة النقود، ص ۲۹)

اور جو نوٹ زکوٰۃ کا سال مکمل ہونے سے پہلے ملے اسے اپنی جنس کے نصاب

یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملا دیا جائے جیسا کہ تجارتی سامان کا حکم ہے۔

سوال ۳: کیا نوٹ کو مہر میں دینا درست ہے؟

الجواب

میں کہتا ہوں کہ اگر عقدِ نکاح کے وقت اس کی قیمت سات مثقال (دس درہم چاندی) کے برابر ہو تو اسے مہر میں دینا درست ہے؛ کیونکہ مہر میں دی جانے والی شے کی مالیت کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہے، اور اس کی وجہ آپ گزشتہ بیان میں جان چکے ہیں، اور اگر نوٹ کی قیمت کم ہو تو مزید نوٹ ملا کر چاندی کی مذکورہ مقدار کو پورا کیا جائے گا، جیسے سامان کو مہر رکھنے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

سوال ۴: اگر کوئی اسے محفوظ مقام سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب

جب چوری میں ہاتھ کاٹے جانے کی دیگر شرائط پائی جائیں تو نوٹ چرانے پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے، میرا مطلب ہے کہ جب چور عاقل بالغ ہو، گونگایا اندھانہ ہو، اور نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، نیز چوری کے دن اور ہاتھ کاٹنے کے دن نوٹ کی قیمت مہر والے دس کھرے درہموں (Silver Coins) کے برابر ہو تو چور کا ہاتھ

کاٹا جائے گا؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے، لہذا اس میں مال کے تمام احکام نافذ ہونگے۔

سوال ۵: اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع (Destruct/Lose) کر دے تو بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

الجواب

اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کر دے تو اسے اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا اور ضائع کرنے والے کو چاندی کا روپیہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ نوٹ کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور ایک ہی کرنسی کے ایسے دو نوٹ جن کی مالیت بھی برابر ہو، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا، (مثلاً دس روپے کے پانچ نوٹ وہی مالیت رکھتے ہیں جو پانچ روپے کے دس اور ایک روپے کے پچاس نوٹ) ہاں البتہ! جب کرنسی مختلف علاقوں کی ہو اگرچہ حکومت ایک ہی ہو تو اکثر اوقات مالیت میں فرق آجاتا ہے؛ کیونکہ "الہ آباد" اور "کلکتہ" کا نوٹ "ہندوستان" کے شمال مشرقی علاقوں میں "بمبئی" کے نوٹ سے زیادہ چلتا ہے، اور اکثر اوقات ایک جگہ کا نوٹ دوسرے علاقے میں کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے، لہذا ان دو قسم کے دونوٹوں کو برابر نہیں سمجھا جاتا جب تک دونوں کا چلن برابر نہ ہو جائے۔

سوال 6: کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں، سونے کی اشرافیوں اور تانبے کے پیسوں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

الجواب

جی ہاں.....! جائز ہے اور تمام ملکوں میں اس کا رواج بھی ہے اور تم اس کی

تحقیق (Research) جان چکے ہو۔

پچھلے کلام میں جواب واضح ہو جانے کی بناء پر میں اسی جواب کو کافی سمجھا تھا

مگر جب میں یہ رسالہ مکمل کر چکا تو مجھے بعض علماء یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی

-سلمہم اللہ- کی طرف سے یہ معلوم ہوا انہوں نے یاد دہانی کے لئے فرمایا کہ علامہ

ابن عابدین -رحمۃ اللہ علیہ- نے "ردالمحتار" میں اس اصول "بیع منعقد ہونے کے لئے

مبیع کا مال متقوم (Things with commercial value) ہونا شرط ہے" سے

یہ مسئلہ نکالا ہے کہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی بیع باطل ہے؛ کیونکہ بیع کے جائز ہونے کے

لئے مبیع کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہونا ضروری ہے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: شرائط البیوع انواع أربعة، ج ۷، ص ۱۳، ملتقطاً)

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کاغذ کے اتنے سے ٹکڑے کی قیمت ایک پیسہ بھی

نہیں لہذا نوٹ کی بیع باطل (Null) ہونی چاہئے۔ باطل ہونے سے مراد یہ ہے کہ بیع

اصلاً ہوئی ہی نہیں چہ جائیکہ ہم اسے حرام یا مکروہ قرار دیں۔

خرید و فروخت کے صحیح ہونے کیلئے مبیع کی قیمت کم از کم ایک پیسہ ہونا ضروری نہیں

تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ جواب دیتا ہوں کہ ان عالم صاحب نے یہ بات میرے رسالے کا مطالعہ کرنے سے پہلے کہی تھی، کاش! وہ میرے رسالے کا مطالعہ کر لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہو جاتے تو ان پر آشکار ہو جاتا کہ ان کے اعتراض (Objection) کا جواب تو خود ان کے اس قول کہ "یہ کاغذ کا ٹکڑا ایک پیسے کا نہیں" سے ہی ظاہر ہے؛ کیونکہ ان دونوں مسئلوں میں بہت فرق ہے، ایک یہ کہ کاغذ کا ٹکڑا ایک پیسے کا نہیں، دوسری یہ کہ ایک پیسے کا نہ تھا (مہر وغیرہ لگنے سے پہلے) اس لئے کہ یہ کاغذ کا ٹکڑا علوم لکھے جانے کے بعد یا مہر لگ جانے کے بعد اب سو روپے اور ہزار روپے کی قیمت کا ہے، اور اصول یہ ہے کہ "شے کی موجودہ حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھی"۔

مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ کچی پکی مٹی کے چھوٹے بڑے برتنوں کی خرید و فروخت کا رواج مسلمانوں میں عام ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کرتا، حالانکہ ان برتنوں کی اصل (Reality) مٹی ہے اور مٹی مال نہیں، بلکہ

اگر اصل کا اعتبار کیا جائے تو خود پیسہ پر بھی اعتراض وارد ہوگا؛ کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ پیسہ تانبے کی جس پتری سے بنایا جاتا ہے اس پتری کی قیمت ہرگز ایک پیسہ

کے برابر نہیں ہوتی بلکہ ایک دھیلے (نصف پیسہ) کے برابر بھی نہیں ہوتی، اسی لئے کچھ بے باک قسم کے لوگوں کو جعلی پیسہ بنانے کی عادت ہوتی ہے، اور وہ ٹکسال کی طرح کا سانچہ (Die/Mould) بنا کر تانبے کو پگھلاتے ہیں اور پھر اس پگھلے ہوئے تانبے کو سانچے میں ڈال کر پیسہ بنا لیتے ہیں، اس کام میں ان کی جتنی رقم خرچ ہوتی ہے اس سے دگنا نفع انہیں حاصل ہو جاتا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کام چاندی کے روپے بنانے سے زیادہ نفع بخش ہے، لہذا ثابت ہوا کہ اصل پر نظر کرنے سے خود پیسہ بھی ایک پیسہ کا نہیں لہذا پیسہ مالِ مقوم (Things with commercial value) نہ ہوا تو پھر یہ قیمت (Cost) اور ثمن کیسے ہو سکتا ہے؟

گزشتہ کلام میں ہم نے ایک عجیب و غریب نایاب علم (Rare Knowledge) سے منقش کاغذ کی مثال پیش کی تھی، اس پر غور کرنے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اشیاء کی موجودہ حالت دیکھی جاتی ہے اور ان کی سابقہ حالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ علماء کرام کی تعظیم شرعاً، عقلاً اور عرفاً لازمی ہے! حالانکہ اصل کے لحاظ سے علماء بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ﴾

(پ ۱۴، النحل: ۷۸)

ترجمہ کنز الایمان: "اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا

کہ کچھ نہ جانتے تھے۔"

لہذا علماء کی تعظیم ان میں پیدا ہونے والے اس علم کے وصف (Description)

کی وجہ سے کی جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں خالق - عزوجل - اور مخلوق دونوں کے

نزدیک وہ عزت حاصل ہوگئی جو پہلے حاصل نہ تھی، جب وہ کچھ نہ جانتے تھے تو جس

طرح اس علم سے منقوش کاغذ کی قیمت اس میں لکھے گئے علم کی وجہ سے اتنی زیادہ ہوگئی

بالکل اسی طرح نوٹ میں لکھائی اور اسٹامپ کی وجہ سے ایسی بات پیدا ہوگئی کہ لوگ نفع

کی غرض سے اس کی طرف مائل ہو گئے اور اس کا لین دین کرنے لگے۔

مالیت کیلئے ضروری نہیں کہ

وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے

نیز اس اعتراض کی کچھ حیثیت نہیں کہ:

"نوٹ تمام شہروں میں نہیں چلتا"؛ کیونکہ نوٹ کے قیمت والا مال ہونے کے لئے

اس کا تمام شہروں میں چلنا کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں، بلکہ مہر والی اکثر چیزوں کا

یہی حال ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہاں "عرب شریف" میں چلنے والے سکے خمسے، عشرے

اور ہلکے "ہندوستان" میں بالکل نہیں چلتے! اسی طرح "ہندوستان" میں چلنے والے پیسے

یہاں "عرب شریف" میں نہیں چلتے، بخلاف نوٹ کے؛ کیونکہ ہندوستان کا نوٹ "عرب" میں بھی چلتا ہے، ہندوستانی نوٹ کا "عرب" کی کرنسی کے مقابلے میں کم قیمت میں بلنا، چلنے کی نفی نہیں کرتا، اور دوسرے شہروں میں نوٹ کا نہ چلنا، ان شہروں میں نوٹ کے چلن (Use) پر اثر انداز نہیں ہوتا جہاں نوٹ چلتا ہے، بلکہ اسی ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں اس امان والے شہر "مکہ مکرمہ" میں پانچ سو کے انگریزی نوٹ کو میں نے خود ۳۳ اشرفیوں اور پانچ روپے میں تبدیل (Exchange) کروایا، اور یہ رقم پانچ سو کے نوٹ کی پوری قیمت ہے؛ کیونکہ ۳۳ اشرفیوں کی قیمت چار سو پچانوے ۲۹۵ روپے بنتی تھی، اور یہ چار سو پچانوے ۲۹۵ روپے ان پانچ روپوں سے ملکر پورے پانچ سو روپے ہو گئے۔

نیز فقہ کی مشہور کتاب "کفایہ" کے باب بیع الفاسد میں یہ مضمون موجود ہے کہ کوئی چیز مال اس وقت ہوتی ہے جب تمام یا بعض لوگ اسے مال قرار دیں۔

("الكفاية" مع "فتح القدير"، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ج ۶، ص ۴۳)

اسی طرح (فقہ کی دیگر مستند کتابوں) "فتح القدير" اور "رد المحتار" میں "بحر الرائق"

اور "کشف کبیر" کے حوالے سے مذکور ہے کہ "مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت

مائل ہوتی ہو اور اسے ضرورت کے وقت کے لئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو، اور مالیت کے

ثبوت کے لئے تمام یا بعض لوگوں کا اسے مال قرار دینا ضروری ہے۔"

("رد المحتار"، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك المتقوم، ج ۷، ص ۸)

لہذا واضح ہو گیا کہ ایک پیسے سے کم قیمت کے مال کی بیع والا مسئلہ جو ان عالم صاحب نے بطور دلیل پیش کیا ہے وہ ہمارے نوٹ والے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، مگر یہ کمزور بندہ (امام اہلسنت علیہ الرحمۃ) پسند کرتا ہے کہ اس مسئلہ کو مزید واضح کر دے تاکہ کوئی دوسرا شخص اس مسئلہ سے کسی اور جگہ دھوکہ نہ کھا جائے؛ کیونکہ اس میں ایسی تنگی ہے جس نے شریعت کی وسیع کی ہوئی چیزوں کو بھی تنگ کر دیا ہے۔

لہذا میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں: اس مسئلہ کا ماخذ (Source) (فقہ کی ایک کتاب) "قنیہ" ہے "ردالمحتار" نے اسے "بحر" اور "بحر" نے اسے "قنیہ" کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے انکی پیروی کی، اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن "تنویر الابصار" کی فصل متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا، حالانکہ "تنویر الابصار" کے ماخذ "درر" و "غرر" میں اس کا ذکر نہیں ہے اور اس کے شارح علامہ علانی نے اسے "قنیہ" ہی کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح "منح الغفار" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے اور متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ یہ بھی "قنیہ" میں منقول ہے۔

("منح الغفار" شرح "الدر المختار")

یعنی جیسا کہ اس سے پہلے بھی "قنیہ" میں ایک مسئلہ مذکور ہے کہ کبوتر کی بیٹ

اگر کثیر ہو تو اسے بیچنا اور ہبہ کرنا جائز ہے۔

چند آدابِ افتاء

یاد رہے کہ "قنیه" کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کی روایات ضعیف ہوتی ہیں، اور علماء نے وضاحت فرمائی ہے کہ "قنیه" جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو اس کا قول قابل قبول (Acceptable) نہ ہوگا، بلکہ یہاں تک کہا کہ "قنیه" اگر قواعد کے خلاف مسئلہ بیان کرے تو قابل قبول نہیں جب تک اس کی تائید میں کوئی قابل اعتماد (Reliable) نقل (Reference) نہ پائی جائے، اور نقل میں ناقل (Reporter) کا نہیں بلکہ جس کے حوالے سے نقل کیا جائے اس کا اعتبار ہوتا ہے، اور ایک مسئلہ اگر متعدد علماء کسی ایک ہی حوالے سے لکھیں تو اس سے مسئلہ کا غریب ہونا (Strangeness) ختم نہیں ہوتا، جیسا کہ یہ تمام باتیں میں نے آدابِ مفتی (Rules of Muslim Jurist) کے موضوع پر لکھی جانے والی اپنی کتاب "فصل القضاء فی رسم الإفتاء" میں ذکر کر دی ہیں۔

اسی طرح سے "فتاویٰ ظہیریہ" میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ سجدہ تلاوت کے بعد قیام کرنا بھی اسی طرح مستحب ہے جیسے سجدہ سے پہلے مستحب ہے، اس مسئلہ کو "ظہیریہ" کے حوالے سے "تاتارخانیہ" "قنیه" اور "مضمرات" نے بھی نقل کیا ہے اور ان کتب کے حوالے سے یہ مسئلہ "بحر" اور "دُرر" میں بھی مذکور ہے نیز "بحر" میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ مسئلہ غریب (Stranger) ہے، علامہ شامی - علیہ الرحمۃ - فرماتے

ہیں کہ اس مسئلہ کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صرف "ظہیریہ" ہی نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے، اسی لئے علماء متاخرین نے اس مسئلہ کو "ظہیریہ" ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔

(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ج ۲، ص ۷۰۰)

"قنیہ" کے مسئلہ کا دلیل نقلی سے جواب

اور آپ جانتے ہیں کہ "قنیہ" کے پیسے والے مسئلہ کو اتنے علماء نے بھی نقل نہیں کیا جتنے علماء نے "ظہیریہ" کے مسئلہ کو نقل کیا ہے اور "قنیہ"، "فتاویٰ ظہیریہ" کے مقابلے کی کتاب بھی تو نہیں ہے، پھر اس سے غرابت کیسے دور ہو سکتی ہے۔ کاش! یہ مسئلہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ (Irregular Tradition) کی طرح ہوتا مگر یہ تو کتب مشہورہ اور قواعد شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے حدیث منکر (Denied Hadith) کی طرح ہے، پہلی وجہ غرابت یعنی کتب مشہورہ کی مخالفت کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ "فتح القدير"، "شربلالی"، "طحطاوی" اور "رد المحتار" وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے کہ "اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے"۔

(فتح القدير، کتاب الكفالة، قبیل فصل في الضمان، ج ۶، ص ۳۲۴)

(جبکہ "قنیہ" میں خواہ مخواہ یہ شرط لگادی ہے کہ وہ مال کم از کم ایک پیسے کا ہو) اور اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ مزید یہ کیا کہ کاغذ پر آخر میں "تائے وحدت" کا

اضافہ فرمادیا (یعنی کاغذ فرمایا) جس سے مراد ایک ہی کاغذ ہوتا ہے، نیز یہاں ایک عظیم اور ناقابل تردید (Irrefutable) بات بھی بیان کرتا چلوں کہ ہمارے جمہورائے متون و شروح اور ہمارے مذہب کے فتاویٰ کا اس بات پر اجماع و اتفاق (Consensus) ہے کہ ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے عوض اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے عوض بیچنا جائز ہے، نیز "فتح القدر"، "درمختار" میں یہ اضافہ (Addition) بھی ہے کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی بیچنا جائز ہے۔

("الدر المختار"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۷، ص ۴۲۷)

حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ایک پیسہ کی نہیں ہوتی۔

ہمارے "ہندوستان" میں ایک پیسے میں بہت سے چھوہارے مل جاتے ہیں، جبکہ یہاں "عرب شریف" میں تو چھوہارے مزید سستے ہیں اسی طرح سے اخروٹ بھی، اور وہ ہمارے "ہندوستان" میں عرب سے زیادہ سستے ہیں۔ نیز "ہندوستان" میں ایک پیسے کی ۸ سے ۲۵ سوئیاں مل جاتی ہیں۔

لہذا ثابت ہوا کہ "قنیہ" کا یہ مسئلہ جس میں بیع کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہونا

شرط ٹھہرایا گیا ہے تمام کتب مشہورہ اور ائمہ و مذہب کی رائے کے خلاف ہے۔

امام محقق صاحب "فتح القدر" نے اگرچہ امام محمد سے مروی امام معلیٰ کی اس

روایت کو راجح قرار دیا ہے جس میں دو چھوہاروں کے عوض ایک چھوہارا بیچنے کو مکروہ کہا

گیا ہے، مگر یہ کراہت اس وجہ سے نہیں کہ چھوہارے کی قیمت ایک پیسے سے کم ہے بلکہ ایک طرف سے زیادتی کی بناء پر ہے، لہذا اگر برنی کھجور کا ایک چھوہارا جنیب کے چھوہارے کے عوض بیچا جائے تو اس کا تعلق امام معلیٰ کی روایت اور امام محقق کی ترجیح سے ہرگز نہ ہوگا؛ کیونکہ کسی جانب بھی زیادتی نہیں، بلکہ دونوں جانب چھوہارے برابر ہیں، اور ویسے بھی امام معلیٰ کی روایت میں تو اس بیع کو مکروہ (ناپسندیدہ) فرمایا گیا ہے، جبکہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ بیع باطل ہوئی، یعنی بالکل ہی منعقد نہ ہوئی، تو اب تمہارا دعویٰ کہاں گیا؟

"قنیہ" کے مسئلہ کا دلیل عقلی سے جواب

جہاں تک دوسری وجہ غرابت یعنی قواعد شرع سے مخالفت کا تعلق ہے تو میں یہ

کہوں گا کہ ہندوستان جو کہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا عرض خط استواء سے شمال کی جانب ۸

درجے سے ۳۵ درجے تک ہے، اور طول گرین وچ لندن (Green Vitch)

(London) سے مشرق کی جانب ۶۶ درجے سے ۹۲ درجے تک ہے، اس میں اکثر فقراء

کی معیشت پیسے کے حصوں دھیلے (نصف پیسے) چھدام (چوتھائی پیسے) دمڑی (نصف

چھدام) وغیرہ سے خرید و فروخت کرنے پر قائم ہے، بہت سے لوگ سالن پکانے کے

لئے دھیلے (نصف پیسے) کی سبزی خریدتے ہیں اس میں نصف پیسے کا تیل ڈال

لیتے ہیں چھدام (چوتھائی پیسے) کے تینوں مصالحوں اور چھدام ہی سے لہسن اور پیاز نیز

چھدام کا نمک لے کر سالن تیار کرتے ہیں اس طرح سے پونے دو پیسے میں انکا سالن

تیار ہو جاتا ہے، اور اسی سالن سے دو وقت کا گزارہ کرتے ہیں۔

اسی طرح چراغ میں ایک دھیلہ (نصف پیسہ) کا تیل شام سے آدھی رات تک کے لئے کافی ہوتا ہے، اسی طرح سے میٹھے پانی کا بڑا مشکیزہ ایک دھیلے (نصف پیسہ) میں مل جاتا ہے جبکہ کچھ ہی عرصہ پہلے ایک دھیلے میں تین مشکیزے ملا کرتے تھے، ماچس کی ڈبیا بھی نصف پیسے میں مل جاتی ہے، نیز ہندوستان کا سب سے لذیذ پھل جسے عربی میں "عَنْب" (عین کے فتح اور نون ساکن) فارسی میں "انہ" اور اردو میں "آم" کہتے ہیں نصف پیسہ میں بہت سے مل جاتے ہیں۔

اسی طرح سے جامن اور املیاں ایک چھدام (چوتھائی پیسہ) میں بہت سی مل جاتی ہیں، اور تمباکو والے پان کے عادی (Habitual) کے لئے ایک دھیلہ کے پان ایک چھدام کا کتھا، چھدام کا تمباکو اور ایک چھدام کی چھالیہ ایک دن اور رات کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اس طرح سے فقط سوا پیسے میں پان کے عادی کی حاجت پوری ہو جائے گی، اور تھے کے عادی کے لئے ایک دھیلہ کا تمباکو کافی ہے۔ اور بہت سی چیزیں بھی پیسوں کے حصوں ہی سے ملتی ہیں حتیٰ کہ بعض چیزیں دَمڑی (پیسہ کا آٹھواں حصہ) اور نصف دَمڑی (پیسے کے سولہویں حصے) میں بھی بکتی ہیں۔

لہذا اگر یہ خرید و فروخت جائز نہ ہو تو معاملہ نہایت پیچیدہ ہو جائے اور غریب

لوگوں کو ناقابل برداشت (Intolerable) مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا، اور یہ خرید و فروخت جو کہ ہزار ہا مسلمانوں میں جاری ہے اگر ہم اسے باطل قرار دے دیں اور ان پر یہ بات لازم کر دیں کہ کوئی چیز بھی ایک پیسہ سے کم قیمت میں ہرگز نہ خریدیں جبکہ ان کی ضرورت چھدام، اور دمڑی وغیرہ سے پوری ہو جاتی ہے تو یہ گویا ان لوگوں پر بھاری بوجھ ڈالنے کے مترادف (Synonymous) ہوگا، حالانکہ شریعت مطہرہ بوجھ ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ بوجھ اٹھانے کے لئے آئی ہے، بلکہ اکثر اوقات ان لوگوں کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہو سکیں گے؛ کیونکہ جو سالن پہلے پونے دو پیسوں میں تیار ہو جاتا تھا اب دو آنوں سے کم میں نہ ہوگا، اور وہ پان جو پہلے سو پیسے میں دن بھر کے لئے کافی تھے اب ایک آنہ میں ملیں گے، مزید اسی پر قیاس (Estimate) کرتے جائیں۔

آپ خود سوچیں اگر کسی کے پاس دو پیسوں سے زائد رقم نہ ہو اور آپ سالن

پکانے کے لئے اس پر دو آنے خرچ کرنا لازم کر دیں تو وہ کیا کرے گا، روکھا آٹا پھانکے

گایا جو کی خشک روٹی چبائے گا، اور ایسا سالن نہ کھا سکے گا جو اس روٹی کو نگلنے کے قابل بنا

کر اسے ہضم کرنے میں مدد دے، اور سالن کے عادی لوگ اگر سالن کھانا چھوڑ دیں تو

سو کھی روٹی انہیں ہرگز اس نہ آئیگی اور وہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا

ہو جائیں گے؛ کیونکہ عادت کا چھوڑنا گویا اپنے آپ سے دشمنی مول لینا ہے۔

یا آپ یہ کہیں گے کہ وہ بھیک مانگے حالانکہ بھیک مانگنا ذلت کا کام اور

شریعت میں حرام ہے، یا ڈاکہ مارے مگر اس پر بھی شریعت میں سخت سزا ہے، یا سبزی فروش تاجروں اور پانی بیچنے والے بہشتیوں کو حکم دیں گے کہ ان فقراء کی تمام ضروریات کی اشیاء انہیں مفت دے دیا کریں؛ کیونکہ ان اشیاء کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہے اور جس چیز کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہو وہ مال نہیں ہوتا اور اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے، لہذا انہیں مفت دے دیا کریں، اس بات پر تو تاجر بالکل راضی نہ ہونگے اور اگر راضی ہو بھی جائیں تو ایک فقیر کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں۔

لہذا اگر تاجر ہر فقیر کو اسکی ضرورت کی چیزیں مفت دے دیا کریں تو ان کی تجارت تو بے فائدہ ہو جائے گی، لہذا ثابت ہوا کہ ہمارے پاس اس بیع (ایک پیسہ سے کم کی خرید و فروخت) کو جائز قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور بے شک قرآن پاک نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے مطلق ارشاد فرمایا کہ:

﴿أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾

(پ ۳، البقرة: ۲۷۵)

ترجمہ کنز الایمان: "اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو"۔

اور دوسری جگہ فرمایا کہ

﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

(پ ۵، النساء: ۲۹)

ترجمہ کنز الایمان: "مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو"۔

اور بیع کو جائز قرار دینے سے ان برائیوں کا خاتمہ ہی تو مقصود تھا، لہذا اس حکم کو

مقید (Limited) کرنے سے وہی سابقہ برائیاں لوٹ آئیں گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلق (Unlimited) فرمایا ہے۔ محقق علی الاطلاق - رحمۃ اللہ علیہ - نے "فتح القدير" میں فرمایا: "اگر بیع کو بیع اور ثمن (Estimated Cost) دونوں کی تملیک (Ownership) کا سبب بنا کر جائز قرار نہ دیا جاتا تو انسان اس بات کا محتاج ہو جاتا کہ یا تو اپنی ضرورت کی چیزیں چھین لیتا یا بھیک مانگتا، ورنہ صبر کرتا یہاں تک کہ مر جاتا، مگر چونکہ ان سب باتوں میں کھلا فساد (Incorrectness) ہے، اور بھیک مانگنے میں جو رسوائی و خواری ہے وہ ہر آدمی برداشت نہیں کر سکتا؛ کیونکہ یہ عمل بندے کو رسوا (Disgrace) کر دیتا ہے، لہذا اس بیع کو جائز قرار دینے میں غریب مسلمانوں کی بقا اور احسن طریقے سے ان کی حاجات کی تکمیل ہے۔"

("فتح القدير" ، كتاب البيوع ، ج ٥ ، ص ٤٥٥)

یہ تو معلوم ہی ہے کہ شرع مطہر نے بیع کے سلسلے میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی، بلکہ مطلق خرید و فروخت کو حلال فرمایا ہے، اور بیع کا مطلب ایک مال کو دوسرے مال سے بدلنا (Exchange) ہے، اور مال کی تعریف تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ "مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقت ضرورت کے لئے اسے جمع کرنا ممکن ہو"، اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر پوری اترتی ہے جو ہم نے تمہیں بتائیں یعنی جن کی خرید و فروخت دھیلے اور چھدام وغیرہ کے بدلے میں ہوتی ہے۔

لہذا اگر ایک پیسہ سے کم میں خرید و فروخت نہ کرنے کو واجب کر دیا جائے تو یہ شریعت پر زیادتی ہوگی جو قابل قبول کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر شاید کوئی یہ کہے کہ شریعت نے پیسے کی مالیت کی مقدار (Quantity) مقرر نہیں فرمائی اور پیسہ وقت و جگہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے لہذا ضروری ہے کہ ہر جگہ اسی علاقے کا پیسہ معتبر ہو، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ بعض لوگوں کے کسی شے کو مال بنانے سے بھی مالیت ثابت ہو جاتی ہے، لہذا دنیا کے سب سے چھوٹے پیسے کو تلاش کرنا واجب ہوا، حالانکہ اس میں حرج عظیم ہے اور شریعت حرج کو دور فرما دیتی ہے اور یہی بات غور طلب ہے۔

بے شک "کفایہ" کے باب البیع الفاسد کی ابتداء میں لکھا ہے کہ بعض اوقات کسی شے کا قیمت والا ہونا بغیر مالیت کے بھی ثابت ہو جاتا ہے؛ کیونکہ گیہوں کا ایک دانہ (Grain) مال نہیں ہے لہذا اس کی بیع صحیح نہیں، اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے؛ کیونکہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے۔

("الكفاية" مع "فتح القدير"، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ج 6، ص 43)

اسی طرح "کشف کبیر" و "بحر الرائق" و "رد المحتار" میں ہے اور "فتح القدير"

میں ایک دانے کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے قابل اعتماد علماء سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ فرماتے ہوں کہ ایک پیسہ سے کم کی چیز مال نہیں ہے۔

مسئلہ "قنیه" کی ایک نفیس توجیہ

شاید "قنیه" نے یہ مسئلہ اس بنا پر بیان کیا ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم قیمت کوئی ثمن (Currency) نہ تھی یا صاحب "قنیه" نے شرعِ مطہر کے مقرر کردہ اندازے میں سے پیسے سے کم کسی اور کرنسی کو نہ پایا تو یہ حکم لگا دیا کہ جو چیز پیسے سے کم کی ہے وہ کچھ نہیں، جیسے "فتح القدر" میں "اسرار" کے حوالے سے منقول ہے کہ جو سونا اور چاندی رتی بھر سے کم ہو اس کی کوئی قیمت نہیں۔

("رد المحتار"، کتاب البيوع، باب الربا، مطلب في الإبراء عن الربا، ج ۷، ص ۴۲۶،)

کیونکہ ان علماء نے چاندی اور سونا کے لئے رتی سے کم کسی پیمانے کو نہیں دیکھا

تھا، جبکہ ہمارے علاقے میں اس کا پیمانہ (Measure) رتی کے آٹھویں حصے (ایک

چاول) تک معروف ہے اور ہمارے علاقے میں آجکل چاول کے برابر سونے کی قیمت

دو پیسے (عرب میں رانج سکہ ہلکہ کے برابر) ہے اور بلاشبہ یہ سونا جو چاول کے برابر ہے

قیمت والا مال (Valuable Property) ہے چہ جائیکہ اس سے زیادہ جو چوتھائی رتی

یا نصف رتی اور اس سے زائد سونا ہو۔

نیز بہت سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو چیز نصف صاع سے کم ہو وہ

اندازے (Measurement) سے باہر ہے، لہذا اس صورت میں ایک چیز اپنی ہی

جنس کے عوض کمی بیشی سے بیچنا جائز ہے، اور وہ مسئلہ کہ "ایک مٹھی (Hand Ful)

گیہوں دو مٹھی گیہوں کے بدلے بیچنا جائز ہے "اسی اصول کے تحت نکالا گیا ہے۔

جبکہ محقق نے "فتح القدر" میں اس مسئلہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "اس پر

دل مطمئن نہیں ہوتا۔ بلکہ جب سود کی حرمت لوگوں کے مال کی حفاظت کے لئے ہے

تو واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو مٹھی کے بدلے ایک مٹھی گیہوں بیچنا

حرام ہو، اور اگر کسی علاقے میں نصف صاع سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں

(جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں صاع کا چوتھائی اور آٹھواں حصہ بھی مقرر ہے) پھر تو

اس زیادتی کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں، اور یہ کہنا کہ "شریعت مطہرہ نے مالی

واجبات مثلاً کفارہ اور صدقہ فطر میں جو پیمانے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع

سے کم کوئی پیمانہ (Measure) مقرر نہیں کیا"، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک مٹھی

کے بدلے دو مٹھی بیچنے میں جو واضح فرق ہے اسے یکسر بے اثر کر دیا جائے۔"

("فتح القدر" ، کتاب البیوع ، باب الربوا ، ج ۶ ، ص ۱۵۲ ، ۱۵۳)

محقق صاحب کے اس کلام کو "بحر الرائق" ، "نہر الفائق" ، "شربلایہ" ،

"در مختار" اور حواشی وغیرہ میں اسی طرح مقرر رکھا گیا، اور یہ بہت اچھا کلام ہے۔

اسی طرح ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جن چیزوں پر بھی مال کی تعریف صادق آتی ہے

اگرچہ ان کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہو وہ سب قیمت والے مال ہوں گے، لہذا ان کے

ذریعے خرید و فروخت کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں، جیسا کہ گزشتہ کلام میں چند

چیزوں کا ذکر ہوا، لہذا اگر کسی علاقے میں پیسہ سے چھوٹی کرنسی رائج ہو، جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں چھدام (چوتھائی پیسہ) اور دمڑی (پیسہ کا آٹھواں حصہ) رائج ہیں، نیز شرع مطہر میں پیسے سے کم قیمت کرنسی کا ذکر نہ ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو مالیت یقیناً ظاہر و بین (Certainly Apparent And Well Exposed) ہے اسے باطل کر دیا جائے، یہ میرے نزدیک تحقیق ہے، اور حقیقت کا علم تو میرے رب سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی سب سے زیادہ علم والا ہے۔

سوال ۷: اگر نوٹ کے بدلے کپڑے خریدے جائیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ؟

الجواب

ہم بیان کر چکے ہیں کہ نوٹ ایک ثمن اصطلاحی ہے، لہذا اسے کپڑوں کے عوض بیچنا بیع مقایضہ (Barter Sale) (ایسی خرید و فروخت جس میں متاع (Chattel) کے بدلے متاع بیچا جائے) نہیں، بلکہ بیع مطلق ہوگی اور اس صورت میں کوئی معین نوٹ دینا ضروری نہیں، بلکہ معینہ مالیت کا کوئی بھی نوٹ دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ پیسوں کے لین دین میں ہوتا ہے۔

سوال ۸: کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو قرض واپس کرتے وقت یہی نوٹ واپس کئے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

الجواب

جی ہاں! نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے؛ کیونکہ یہ مثلی (Similar) چیز ہے اور قرض واپس کرتے وقت مثلی چیز ہی دی جاتی ہے، بلکہ ہر قسم کے دین میں مثلی چیز ہی دی جاتی ہے، مگر جب لین دین کرنے والے کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہو جائیں (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرض دیتے وقت اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اگر نوٹ قرض دیتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ ادائیگی کسی اور جنس میں کی جائیگی تو ناجائز ہے۔ مثلاً سوکا نوٹ قرض دیا اور شرط لگائی کہ واپسی میں اتنی چاندی یا کپڑا دے دینا جتنا سو روپے میں ملتا ہے تو ایسی شرط ناجائز ہے، جیسا کہ اس کی تصریح امام اہلسنت نے "فتاویٰ رضویہ"، جلد ۸، صفحہ ۹۳ میں فرمائی ہے، بلکہ اس عبارت سے یہ مراد ہے کہ ادائیگی کے وقت قرض ادا کرنے والے نے کہا کہ میں سوکا نوٹ نہیں دے سکتا بلکہ اس قیمت کی چاندی یا ڈالر یا پونڈ دینا چاہتا ہوں، پس اگر قرض وصول کرنے والا راضی ہو جائے تو جائز ہے (تو دوسری چیز بھی دی جاسکتی ہے۔

سوال ۹: کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت

(Fixed Term) تک بطور قرض بیچنا جائز ہے؟

الجواب

ہاں! جائز ہے بشرطیکہ نوٹ پر اسی مجلس میں قبضہ کر لیا جائے تاکہ دونوں اس

حالت میں جدا نہ ہوں کہ دونوں پر ایک دوسرے کا دین (Debt/Credit) ہو اور اس

مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اگر نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے بیچا جائے تو یہ خرید و

فروخت پیسوں کو چاندی کے روپوں کے بدلے بیچنے کی طرح ہے، بیع صرف نہیں، کہ

اس میں دونوں طرف سے قبضہ کرنا شرط ہو؛ کیونکہ بیع صرف ایسی بیع کو کہتے ہیں جس

میں ثمنِ خلقی (یعنی سونا اور چاندی، خیال رہے کہ سونا اور چاندی کسی بھی شکل میں ہوں

ثمنِ خلقی ہیں، نوٹ اور مروّجہ سکے ثمنِ اصطلاحی ہیں) کو ثمنِ خلقی (Real

Money) کے بدلے میں بیچا جائے، بیع صرف (Money Exchange) کی یہ

تعریف "بحر الرائق" و "در مختار" وغیرہما میں مذکور ہے۔

("الدر المختار" فی شرح "تنویر الأبصار"، کتاب الصرف، ج ۷، ص ۵۵۲، ملخصاً،)

اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ نوٹ اور پیسے کو ثمنیت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ

ان کا ثمن ہونا تو اس بنا پر ہے کہ لوگوں نے انہیں اپنے لئے اصطلاحی ثمن بنا لیا ہے۔

لہذا یہ جب تک چلتے رہیں گے ثمن ہیں، اور جب ان کا چلن ختم ہو جائے گا تو یہ

متاع (Chattel) کی طرح کا مال ہو جائیں گے "ردالمحتار" باب رہا میں "بحر" سے، "بحر" میں "ذخیرہ" اور "ذخیرہ" میں مشائخ سے اس کے بیچ صرف نہ ہونے کی تصریح منقول ہے، البتہ نوٹ کے ثمن اصطلاحی ہونے کی بنا پر دونوں جانب میں سے ایک کا قبضہ ضروری ہے، ورنہ یہ بیع حرام ہو جائے گی؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کو دین سے بیچنا ممنوع قرار دیا ہے، امام محمد نے "مبسوط" میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور "محیط امام سرخسی"، "حاوی"، "بزازیہ"، "بحر"، "نہر"، "فتاویٰ حانوتی"، "تنویر"، "درمختار" اور "ہندیہ" وغیرہا میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے، اور امام اسپجابی کے کلام کا بھی یہی مفاد (Gain) ہے، جیسا کہ علامہ شامی - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ - نے ان سے بحوالہ "بحر" نقل فرمایا، "ہندیہ" میں "مبسوط" سے منقول ہے کہ "کسی نے چاندی کے روپوں کے بدلے ریزگاری خریدی، خریدار نے چاندی کے روپے ادا کر دیئے مگر بائع نے پیسے ادا نہ کئے تو یہ بیع جائز ہے"۔

("الفتاویٰ الہندیہ"، کتاب الصرف، الباب الثانی فی احکام العقد بالنظر... إلخ،

الفصل الثالث فی بیع الفلوس، ج ۳، ص ۲۲۴)

اسی "عالمگیری" میں "حاوی" وغیرہ سے منقول ہے کہ "اگر کسی نے ایک

چاندی کا روپیہ سو پیسے میں خریدا اور روپے پر بائع نے قبضہ کر لیا لیکن خریدار کا پیسوں پر

قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ پیسوں کا چلن جاتا رہا تو قیاس (Analogy) یہ ہے کہ بیع باطل

نہ ہوئی، اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا اس کے بعد ان پیسوں کا چلن جاتا رہا تو باقی پچاس پیسوں میں بیع باطل (Null) ہو جائے گی، اور اگر پیسوں کا چلن باقی رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدار باقی پیسے لینے کا حقدار بھی رہے گا۔

(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصرف، الباب الثانی فی احکام العقد بالنظر... إلخ،

الفصل الثالث فی بیع الفلوس، ج ۳، ص ۲۲۵، ملتقطاً،)

نیز اسی "عالمگیری" میں "محیط سرخسی" سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور یہ کہ

"ذخیرہ" میں ہے "اگر چاندی کے روپے کے بدلے میں پیسے یا کھانا خریداتا کہ وہ عقد

صرف نہ ہو اور بائع و مشتری (Seller and Purchaser) میں سے ایک نے حقیقت

قبضہ کر لیا پھر دونوں جدا ہو گئے تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر کسی جانب سے بھی حقیقت

قبضہ نہ ہوا بلکہ صرف حکماً قبضہ ہوا تو یہ ناجائز ہے، چاہے وہ عقد صرف ہو یا اس کے علاوہ

کوئی دوسرا عقد ہو، اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ زید کا بکر پر کچھ پیسہ یا غلہ قرض تھا،

بکر نے انہی پیسوں یا غلے کو چاندی کے روپوں کے بدلے خرید لیا اور چاندی کے روپے

دینے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے، تو یہ بیع باطل ہوگئی، یہ مسئلہ یاد رکھنا نہایت ضروری ہے

اکثر لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز... إلخ، الفصل الأول فی

بیع الدین بالدین، ج ۳، ص ۱۰۲)

اسی "عالمگیری" میں "ذخیرہ" سے منقول ہے کہ "ایک شخص نے کسی کو چاندی کا روپیہ دیتے ہوئے کہا کہ نصف روپے کے اتنے پیسے دے دو بقیہ نصف روپے کی اٹھنی (چاندی کا آدھا روپیہ) دے دو تو یہ جائز ہے، پھر اگر پیسوں اور اٹھنی پر قبضہ کئے بغیر دونوں جدا ہو گئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصے میں باطل ہو گئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہو گئے، تو اٹھنی اور پیسے دونوں میں بیع باطل ہو جائے گی۔

("الفتاویٰ الہندیۃ"، کتاب الصرف، الفصل الثالث فی بیع الفلوس، ج ۳، ص ۲۲۵)

نیز "عالمگیری" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ پیسوں کے بدلے کوئی چیز خریدی اور پیسے دینے کے بعد دونوں جدا ہو گئے پھر بائع نے ان پیسوں میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس کر دیا اور دوسرا پیسہ لے لیا، تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کی طے شدہ قیمت (Estimated Cost) تھے تو عقد (Contract) باطل نہ ہوا، خواہ اس نے تھوڑے پیسے واپس کئے ہوں یا زیادہ، اور ان کھوٹے پیسوں کے بدلے میں دوسرے پیسے لے لئے ہوں یا نہ لئے ہوں، اور اگر وہ پیسے روپوں کی طے شدہ قیمت (Estimated Cost) تھے تو اگر خریدار نے روپوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر کھوٹا پیسہ واپس کیا گیا اور اس کے بدلے بائع نے کھرا پیسہ لیا یا نہ لیا دونوں صورتوں میں عقد بدستور صحیح ہے، اسی طرح اگر بائع نے تمام پیسے کھوٹے پائے اور واپس لوٹا دیئے اور ان کے بدلے میں کھرے پیسے لے لئے یا ابھی نہیں لئے تو اس صورت میں بھی بیع

درست ہی رہے گی اور روپوں پر قبضہ کرنے سے پہلے سب روپے کھوٹے پائے اور واپس دے دیئے تو امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کے نزدیک بیع باطل ہوگئی، خواہ اسی مجلس میں بدل کر کھرے پیسے لے لئے ہوں یا نہ لئے ہوں، دونوں صورتوں میں بیع باطل ہے۔ جبکہ صاحبین (۱) - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - فرماتے ہیں: اگر اسی مجلس میں کھوٹوں کے بدلے کھرے پیسے لے لئے ہوں تو بیع درست رہے گی، اور اگر نہ لئے تو بیع باطل ہو جائے گی، اور اگر صرف کچھ پیسے کھوٹے پا کر واپس دیئے ہوں تو قیاس (Conjecture) یہی ہے کہ فقط اتنے پیسوں ہی میں بیع باطل ہو، مگر امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - بطور استحسان (استحسان، ایسے قیاسِ خفی (Secret Conjecture) کا نام ہے جو ظاہری قیاس کے مقابلے میں ہوتا ہے، مثلاً چیل کا گوشت حرام ہے، چنانچہ اس کے لعاب کا بھی یہی حکم ہے۔ پس اگر چیل وہ درودہ سے کم پانی میں سے پئے تو اس پانی پر ناپاکی کا حکم ہونا چاہئے؛ کیونکہ جب چیل پانی پئے گی اس کی زبان پانی سے مس ہوگی، اور پانی ناپاک ہو جائے گا، مگر اس میں استحسان یہ ہے کہ چیل پانی اپنی چونچ میں لیتی اور پھر حلق سے نیچے اتارتی ہے۔ چنانچہ اس کے لعاب کے پانی میں شامل ہونے کا احتمال کمزور ہے، جبکہ اس کی چونچ ہڈی کی ہوتی ہے اور سوائے خنزیر کے تمام حیوانات کی

..... فقہ حنفی میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد - رحمہم اللہ - کو ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں، امام اعظم اور امام ابو یوسف - علیہما الرحمۃ - کو شیخین کہتے ہیں، امام اعظم اور امام محمد - رحمہما اللہ - کو طرفین جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کو صاحبین کہتے ہیں۔

یار پاک ہیں، چنانچہ پانی کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا) فرماتے ہیں کہ اگر واپس دیئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی مجلس میں بدل لئے جائیں تو عقد اصلاً باطل نہ ہوگا اور اس تھوڑے سے کتنے پیسے مراد ہیں اس سے متعلق امام صاحب سے مختلف اقوال مروی ہیں، ایک قول میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل، دوسری روایت میں ہے کہ نصف بھی کثیر ہیں، تیسری روایت میں ہے کہ تہائی سے زائد ہوں تو کثیر ہیں۔ ("الفتاویٰ الہندیۃ"، کتاب الصرف، الباب الثانی، الفصل الثالث فی بیع

الفلوس، ج ۳، ص ۲۲۵، ۲۲۶، ملتقطاً)

ہم نے "ذخیرہ" کے حوالے سے بکثرت نقول اس لئے ذکر کیں کہ عنقریب ایک نقل ایک پیسہ کو دو پیسوں کے بدلے میں بیچنے کے خلاف آئے گی، لہذا یہ بات یاد رہے کہ صاحب "ذخیرہ" نے ہمارے اس مسئلہ یعنی (پیسوں کو روپے کے بدلے بیچنے) کے بارے میں بہت سی جگہ جائز ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہاں اس مسئلے کے خلاف کوئی بات بھی ذکر نہ فرمائی نیز "تنویر الابصار" اور "درمختار" میں ہے کہ "اگر کسی نے پیسوں کو پیسوں یا روپوں یا پھر اشرافیوں کے بدلے میں بیچا تو اگر ایک طرف سے قبضہ ہو گیا تو یہ بیع جائز ہے اور اگر کسی ایک کے بھی قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو بیع جائز نہیں۔"

("الدر المختار" شرح "تنویر الابصار"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۷، ص ۴۳۳)

الغرض مسئلہ ظاہر ہے اور اس کے بارے میں نقلیں وافر ہیں، اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے "فتاویٰ" میں اس کی مخالفت فرمائی، اور دونوں جانب کا قبضہ (Custody from both sides) شرط فرمایا، اور کسی طرف سے بھی ادھار (Credit) ہونے کو حرام ٹھہرایا ہے، اس کی عبارت یہ ہے کہ "سوال: ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری کے بدلے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب: پیسوں کو سونے یا چاندی کے بدلے ادھار بیچنا ناجائز ہے؛ کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا، چاندی، تانبا) ان میں سے ایک کی دوسرے کے بدلے بیعِ سلم جائز نہیں، مگر جبکہ تول کر دی جانے والی ادھار چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری ہے بیع ہو، ثمن کی قسم سے نہ ہو جیسے زعفران، اور پیسے جنسِ بیع سے نہیں ہیں بلکہ انہیں ثمن بنا لیا گیا ہے۔" (فتاویٰ قاری الہدایہ، "مسألة فی الربا، ص ۲۸)

جب علامہ حانوتی سے پیسے کو سونے کے بدلے میں ادھار بیچنے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس کا رد (Repulse) فرمایا اور جواب دیا کہ "یہ جائز ہے۔" جبکہ دونوں میں سے ایک پر قبضہ ہو گیا ہو؛ کیونکہ "بزازیہ" میں ہے کہ "اگر ایک روپے کے بدلے میں سو پیسے خریدے تو ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی ہے" پھر فرمایا: "اسی طرح سونے اور چاندی کو پیسوں کے بدلے بیچنا جائز ہے" جیسا کہ "بحر" میں "محیط"

سے ہے، پھر فرمایا کہ "فتاویٰ قاری الہدایہ" کے قول سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب: فی استقراض الدرہم عددًا، ج ۷،

ص ۴۳۳) "نہر الفائق" میں اسی اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ "فتاویٰ قاری الہدایہ"

کی یہاں بیع سے مراد بدلی یعنی بیع سلم (V. alivrer) ہے؛ کیونکہ پیسے ثمن سے

مشابہت رکھتے ہیں، اور ثمن کی ثمن سے بیع سلم درست نہیں ہے اور اس حیثیت سے کہ

پیسے اصل میں متاع (Chattel) ہیں چنانچہ ایک جانب سے قبضہ کر لینا کافی ہے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب: فی استقراض الدرہم عددًا، ج ۷،

ص ۴۳۳)

میں کہتا ہوں کہ: ان کی دلیل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے علماء نے تصریح کی

ہے کہ جو چیزیں وزن کر کے بیچی جاتی ہیں ان میں بیع سلم جائز نہیں... الخ۔

مگر علامہ ابن عابدین نے "رد المحتار" میں اسی کو کافی نہ جانا بلکہ مزید فرمایا کہ "علامہ

قاری الہدایہ کا کلام "جامع صغیر" سے مفہوم کلام (دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے) پر

محمول ہے۔" ("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب: فی استقراض الدرہم

عددًا، ج ۷، ص ۴۳۳) مزید فرمایا کہ "اب بزازیہ" کے مذکورہ مسئلہ سے اعتراض وارد

نہیں ہوگا کیونکہ وہ اُس کلام پر محمول ہے جو امام محمد کی "مبسوط" میں ہے۔"

اور اس قول سے کچھ پہلے علامہ شامی - علیہ الرحمۃ - نے "بحر" و "ذخیرہ" کے حوالے

سے نقل کیا کہ: "امام محمد - رحمہ اللہ - نے "مبسوط" کی کتاب الصراف میں ایک پیسے کو دو معین پیسوں کے بدلے میں بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کے قبضہ (Custody From Both Sides) کو شرط قرار نہیں دیا، جبکہ "جامع صغیر" میں ایسی عبارت ذکر فرمائی جو قبضہ طرفین کے شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے، اسی لئے بعض مشائخ نے اس دوسرے حکم کو صحیح قرار نہیں دیا؛ کیونکہ بیع صرف میں تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے، جبکہ یہاں پیسوں کو چاندی کے روپے سے ادھار بیچنے کی صورت میں قبضہ طرفین کے شرط ہونے کا حکم نہیں، اور بعض نے اسے درست قرار دیا؛ کیونکہ پیسے ایک جہت سے متاع کا حکم رکھتے ہیں اور ایک جہت سے ثمن کا، لہذا پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی، اور دوسری کے سبب قبضہ طرفین شرط ہوا۔ ("رد المحتار"، کتاب

البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عدداً، ج ۷، ص ۴۳۳)

أقول وبالله التوفيق: علامہ شامی نے "بحر" اور "بحر" نے "ذخیرہ" کی

اتباع کرتے ہوئے جو یہ کہا کہ "جامع صغیر" کا کلام دونوں طرف کے قبضہ کے شرط

ہونے پر دلالت کرتا ہے، بندہ ضعیف کو اس میں سخت تا مل ہو تو میں نے "جامع صغیر"

کی طرف رجوع کیا تو اس کی عبارت یوں پائی: "امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو یوسف

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک

شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکی کی چربی کے عوض یا دو رطل گوشت ایک

رطل چربی کو یا ایک انڈے کو دو انڈوں یا ایک اخروٹ کو دو اخروٹ یا ایک پیسے کو دو پیسوں یا ایک چھو ہارے کو دو چھو ہاروں کے عوض نقد دست بدست بیچا، اور دونوں معین ہوں تو یہ بیع جائز ہے، اور یہی قول امام ابو یوسف - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کا بھی ہے، جبکہ امام محمد - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - فرماتے ہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بیچنا جائز نہیں، ہاں! ایک چھو ہارے کو دو چھو ہاروں کے بدلے بیچنا جائز ہے۔" (الجامع الصغیر)

يَدَا بَيْدٍ (دست بدست) کی تحقیق

بہر حال ان کا قول یعنی "دست بدست" ہی اصل دلیل ہے مگر علم فقہ میں مہارت رکھنے والے پر یہ بات عیاں ہے کہ یہ لفظ ("دست بدست") قبضہ طرفین کے شرط ہونے پر نص صریح نہیں ہے (کیونکہ قبضہ طرفین سے مراد یہ ہے خریدنے اور فروخت کرنے والے دونوں افراد ثمن اور بیع پر قابض ہو جائیں) کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء کرام - رحمہم اللہ - نے سود والی مشہور حدیث میں "دست بدست" سے دونوں چیزوں کا معین ہونا مراد لیا ہے۔

جیسا کہ "ہدایہ" میں ہے کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد "دست بدست" کے معنی یہ ہیں کہ "دونوں جانب تعین ہو جائے" یعنی کسی طرف سے دین (Financial Claim) نہ رہے، اور عبادہ بن صامت - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے اسی طرح روایت فرمایا۔ ("الهدایة"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۳، ص ۶۳)

اور "دست بدست" کے معنی تعین کیونکر نہ ہو! حالانکہ ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ "قبضہ طرفین فقط بیع صرف میں شرط ہے اور جہاں تک اس کے علاوہ بیوع یعنی خرید و فروخت کی دوسری صورتوں کا تعلق ہے جن میں سود جاری ہو سکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے" جیسا کہ "ہدایہ" وغیرہ میں ہے۔

(الهدایة، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۳، ص ۶۲)

اور "تنویر الابصار" میں ہے کہ "جس مال میں سود کا احتمال ہو وہاں بیع صرف کے علاوہ ہر قسم کی بیع میں فقط مال کے معین ہونے کا ہی اعتبار ہے، قبضہ طرفین شرط نہیں"۔ ("تنویر الابصار" مع "الدر المختار"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۷، ص ۴۳۰)

"در مختار" میں اس عبارت کی شرح میں فرمایا: "یہاں تک کہ اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور دونوں کو معین کر دیا اور قبضہ کئے بغیر جدا ہو گئے تو جائز ہے"۔

(الدر المختار "شرح" تنویر الابصار، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۷، ص ۴۳۰)

لہذا اگر امام محمد - علیہ الرحمۃ - کے اس قول کو عبارت مذکورہ میں قبضہ طرفین پر محمول کیا جائے اور اس سے مراد یہ لی جائے کہ پیسوں کے بدلے پیسے بیچنے کی صورت میں قبضہ طرفین شرط ہے تو جن کے نزدیک یہ قید (Limitation) تمام مسائل کی طرف راجع (Inclined) ہے ان کے نزدیک کھجوروں انڈوں اور اخروٹوں کو آپس میں بیچنے کی صورت میں بھی قبضہ طرفین کا شرط ہونا لازم آئے گا، مثلاً صاحب "نہر الفائق"

اور "در مختار" وغیرہما؛ کیونکہ ان تمام مسائل کو ایک ہی طریقے سے بیان کیا گیا ہے، خاص طور پر "جامع صغیر" کی عبارت میں؛ کیونکہ اس میں تو اس قید کو کھجور کی بیج کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور پیسوں کی خرید و فروخت کا ذکر مذکورہ قید سے پہلے ہے، حالانکہ ائمہ میں سے یہ قول کہ "انڈوں یا اخروٹوں کی آپس میں بیج کے وقت قبضہ طرفین شرط ہو" کسی کا بھی نہیں ہے، لہذا "یدأبید" کو تعین کے شرط ہونے پر محمول کرنا واجب ہے تاکہ امام محمد - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کا ارشاد کہ "معین ہوں" اس "دست بدست" کی تفسیر ہو جائے، ورنہ اس کلام کا کوئی فائدہ نہ ہوگا؛ کیونکہ قبضہ طرفین میں تعین کی قید بلا وجہ کی زیادتی ہے، اس لئے بعد میں اس کا ذکر کرنا فضول ہے، لہذا جب امام برہان الدین مرغینانی صاحب "ہدایہ" - رحمۃ اللہ علیہ - نے "جامع صغیر" سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو "دست بدست" کا لفظ اس سے ساقط فرما دیا اور صرف تعین کا ذکر کیا۔

اور لکھا کہ "امام محمد - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے فرمایا: کہ ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض ایک کھجور دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے عوض بیچنا جائز ہے، نیز ایک پیسہ کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا بھی جائز ہے۔"

("الہدایہ"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۳، ص ۶۳)

لہذا روزِ روش کی طرح واضح ہو گیا کہ "جامع صغیر" کا کلام اس بات پر بالکل دلالت نہیں کرتا جسے ان اکابر علماء نے سمجھا، اور اگر فرض کر لیا جائے کہ "جامع صغیر" کا

کلام اس بات پر دلالت کرتا بھی ہے تو یہاں ایک ظاہر و ناقابل تردید احتمال (Irrefutable Doubt) بھی موجود ہے اور جس بات میں احتمال پیدا ہو جائے وہ حجت نہیں رہتی بخلاف "مبسوط" کی عبارت کے؛ کیونکہ وہ طرفین کے قبضہ کے شرط نہ ہونے میں نص ہے، اور کیسی زبردست نص ہے وہ آپ سن چکے ہیں، لہذا اسی پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اور توفیق تو اللہ عظیمت والے بادشاہ ہی کی طرف سے ہے۔

یاد رہے کہ یہ کلام تو ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا جس سے "جامع صغیر" کی مراد کو ظاہر کرنا مقصود (Intended) تھا، ورنہ حق تو یہ ہے کہ علامہ قاری الہدایہ کے فتویٰ کو اس بات کی حاجت نہیں کہ "جامع صغیر" کی عبارت کو طرفین کے قبضہ کے شرط ہونے پر محمول کیا جائے^(۱) اور نہ ہی وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں^(۲) اور نہ ہی ان کا دعویٰ اس پر موقوف ہے؛ کیونکہ وہ تو ادھار کو حرام فرما رہے ہیں، اور ادھار کے حرام ہونے کے لئے بیع و ثمن (Sold thing and Estimated Cost) کا معین ہونا ضروری نہیں چہ جائیکہ قبضہ طرفین ضروری ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص ایک روپیہ نقد کے عوض کپڑا بیچے تو اس صورت میں نہ ہی ادھار ہے اور نہ

۱..... کیونکہ وہ (علامہ قاری الہدایہ) تو اسے بیع سلم (V. alivrer) مان رہے ہیں اور تم (علامہ

شامی) اسے بیع صرف کہہ رہے ہو۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲..... اس لئے کہ ثمن میں بیع سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ

شرط ہے جیسے ثمن کے عوض ثمن کی بیع سلم، یا قبضہ طرفین شرط نہ ہو جیسے ثمن میں بیع کی بیع سلم۔ ۱۲ منہ

رضی اللہ عنہ

بیع و ثمن معین ہیں (۱)۔ البتہ اگر بیع و ثمن کو معین کیا جائے تو ادھار کا حرام ہونا لازم ہے؛ کیونکہ وعدہ شے کو آسانی سے حاصل کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور معین چیز فی الحال حاصل ہوتی ہے، لہذا اگر "جامع صغیر" کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے لئے اس طرز پر استدلال (Reasoning) کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ (۲) ہوتی اور

۱..... بیع اور ثمن کا معین ہونا اس وقت ضروری ہوتا ہے جبکہ ادھار نہ ہو، اور ادھار نہ ہونا ہی بیع و ثمن کے معین ہونے کو لازم ہے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ بعض اوقات دونوں باتیں نہیں ہوتیں کہ نہ ادھار ہونہ دونوں جانب معین چیزیں ہوں جیسے مذکورہ مثال میں۔ ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ

۲..... کہ وہ ان کے فتویٰ کے حکم یعنی ناجائز ہونے کی دلیل ہو اگرچہ یہ حکم بیع صرف کی وجہ سے ثابت ہو بیع سلم کی وجہ سے نہیں۔ "ہندیہ" میں "محیط" کے حوالے سے جو مسائل مذکور ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اگر قرض خواہ سے وہ غلہ سو روپے میں خرید لے تو یہ جائز ہے جبکہ ایسا غلہ خریدے جو اس کے ذمے لازم ہوا ہونہ کہ وہ غلہ جو قرض لیا تھا، اس صورت میں قیمت اسی جلسے میں ادا کرنا ضروری ہے ورنہ یہ بیع حرام ہوگی؛ کیونکہ عاقدین دونوں طرف ادھار کی حالت میں جدا ہوئے۔ پھر فرمایا کہ روپے پیسے اور اشرفیوں کے قرض ہونے کی صورت کے علاوہ ہر ماپ تول کی چیز کا یہی حکم ہے۔

اس طرح انہوں نے پیسوں کو بھی روپوں اور اشرفیوں کی طرح ذمہ پر قرض ہونے والی چیزوں میں شمار کیا، لہذا ان کی خرید و فروخت ناجائز ہے اگرچہ قیمت اسی جلسہ میں ادا کر دی جائے، اور صحیح وہی قول ہے جسے ہم بحوالہ "ہندیہ"، "ذخیرہ" سے نقل کر چکے ہیں کہ بیع صرف کے علاوہ ہر قسم کی بیع میں فقط یہ بات منع ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقتہً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر حکمی قبضہ ہو جائے، مثلاً قرضہ اگر کسی کے ذمے ہو تو حکمی طور پر وہ قبضہ میں ہوتا ہے مگر جب بیع یا ثمن میں سے ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے، اسی طرح سے "ردالمحتار" میں "وجیز" کے حوالے سے منقول ہے غرضیکہ اس صورت کو بیع صرف قرار دینا اسے ہمارے عام علماء کے اس قول سے پھیرنا ہے جسے انہوں نے متعدد کتب میں نص فرمایا۔ واللہ اعلم

اعتراض مذکور سے محافظت رہتی۔

اب میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں: کہ یہ بات تو تم پر ظاہر ہے کہ بیع و ثمن

کا معین ہونا صرف اموالِ ربا میں شرط ہے، اور اموالِ ربا صرف دو قسم کی چیزیں ہیں

(۱) جو ناپ یا (۲) تول کر بیچی جاتی ہیں، جبکہ وہ چیزیں جن کی خرید و فروخت گنتی کر کے

ہوتی ہے، اموالِ ربا نہیں۔ "فتح القدیر" وغیرہ کے باب السلم میں اس بات کی تصریح

موجود ہے کہ بیع سلم صرف اموالِ ربا میں منع ہے، جبکہ انہیں اپنی ہی جنس کے عوض بیچا

جائے، اور گن کر بیچی جانے والی چیزیں اموالِ ربا میں سے نہیں۔

("فتح القدیر"، کتاب البیوع، باب السلم، ج ۶، ص ۲۰۸)

جیسا کہ "کنز" کے اس قول کی شرح میں کہ "جب دونوں نہ ہوں تو دونوں

حلال ہیں"، کے تحت "بحر الرائق" میں فرمایا کہ یعنی "جب قدر (Weight And

Measurement) و جنس (Spesies) دونوں نہ ہوں تو کمی پیشی اور ادھار دونوں

حلال ہیں، لہذا "ہرات" کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو "مرو" کے بنے ہوئے دو

کپڑوں کے عوض بیچنا جائز ہے (ہرات اور مرو، دو مقامات کے نام ہیں) اسی طرح

انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا بھی جائز ہے۔"

("البحر الرائق"، کتاب البیوع، باب الربا، قولہ (و حلاً عدمہما) ج ۶، ص ۲۱۵)

اور صاحب "کنز" نے جو یہ فرمایا کہ "بیع صرف کے علاوہ اموالِ ربا میں تعین

کا اعتبار کیا جاتا ہے قبضہ طرفین کا نہیں، تو اس کی شرح میں صاحب "بحر" نے فرمایا کہ اسکی وضاحت امام اسبیجانی کا یہ قول ہے کہ "جب ناپ کی چیز کو ناپ والی چیز کے عوض یا تول کر بیچی جانے والی چیز کو تول والی چیز کے عوض بیچا جائے خواہ دونوں کی جنس ایک ہی ہو یا دونوں کی جنس مختلف ہوں تو بیع کے جواز کے لئے بیع و ثمن دونوں چیزوں کا معین ہونا شرط ہے چاہے وہ چیزیں وہاں حاضر ہوں یا غائب، البتہ عاقدین (Contractors) کی ملک میں ہونا چاہئیں"۔ ("البحر الرائق"، کتاب البیوع، باب الربا، قولہ يعتبر التعین دون التقابض... إلخ، ج ۶، ص ۲۱۷)

پیسوں کی باہم بیع میں تعین کو واجب کرنے کی دلیل یہی ہے کہ اگر ایک معین پیسے کو دو غیر معین پیسوں کے عوض بیچا جائے تو بائع (Seller) کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ اپنے پاس رکھ لے اور مشتری (Purchaser) سے دوسرا پیسہ طلب کرے، یا معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر اسی پیسے کو ایک پیسے کے ساتھ اس سے واپس لے لے؛ کیونکہ اس صورت میں مشتری کے ذمے بائع کے دو پیسے واجب ہو گئے، لہذا بائع کا اپنا مال تو بعینہ اس کی طرف لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا۔

اسی طرح سے اگر دو معین پیسوں کو ایک غیر معین پیسے کے عوض بیچا جائے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا، اور اس کے ذمے جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اسے انہیں دو پیسوں میں سے بائع کو لوٹا دے گا، جبکہ دوسرا پیسہ معاوضے کے بغیر زائد رہ گیا جس کا وہ

عقد بیع (Sale Contract) کی وجہ سے حقدار ہوا، جیسا کہ "فتح القدیر" میں ہے اور اس کے مثل "عنایہ" وغیرہ میں ہے۔

("فتح القدیر"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۶، ص ۱۶۲)

اور پیسوں کے عوض چاندی کا روپیہ ادھار بیچنے میں یہ علت (Cause) جاری نہیں ہو سکتی، جیسا کہ پوشیدہ نہیں، تو اب نوٹ اور چاندی کے روپے میں یہ علت کیسے جاری ہو سکتی ہے جبکہ جنس اور قدر دونوں ہی واضح طور پر مختلف ہیں لہذا قاری الہدایہ کی عبارت کا بہترین محمل وہی ہے جو "نہر الفائق" میں ذکر کیا گیا ہے، اس صورت میں وہ امام محمد - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے مروی ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی اور اس کا بیان عنقریب آئے گا، اور اگر اسے نہ مانا جائے تو کیا ہوا! وہ علامہ صاحب کا ایک فتویٰ ہی تو ہے جس کے ساتھ کوئی سند (Support) نہیں ہے، اور نہ اس فتویٰ میں اس سے پہلے کوئی ازکا مستند (Deed) معلوم (۱) نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے، اور علامہ شامی نے ان کے لئے جو تکلف کیا اس کا حال معلوم ہو چکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہو سکتا ہے اس حکم (۲) کا جس پر یہ اکابر علماء کرام متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے

..... یعنی جو طریقہ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے اس کے مطابق اگر اسے بیع صرف کی طرف پھیریں تو اس کے ضعف کا تمہیں علم ہے۔ ۱۲ منہ

۲..... جو "مبسوط" سے منقول ہے کہ "کسی نے چاندی کے روپوں کے بدلے ریزگاری خریدی، خریدار نے چاندی کے روپے ادا کر دیئے مگر بائع نے پیسے ادا نہ کئے تو یہ بیع جائز ہے۔"

اور اس حکم کے معاملے میں ان کی دلیل "مبسوط" میں مذکور امام محمد کا قول ہے، اور بے شک وہی قول فیصل ہے۔

پھر یہ کہ علامہ قاری الہدایہ نے اس کے علاوہ جو ذکر کیا ہے اس میں ہمارے مذہب حنفی کے مسائل سے دو صریح بھولیں (Two Clear Amazements) ہیں:-
ایک بھول تو اس بات سے جو ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ "پیسے اصطلاح (Terminology) کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہو گئے۔"

اور دوسری بھول اس سے جس پر ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ نے نص فرمائی کہ "پیسوں کا ثمن ہونا بائع اور مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے، اور ثمنیت کے باطل ہونے سے پیسوں کی وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں، باطل نہیں ہوتی۔"

اور ان تمام باتوں کی "ہدایہ" وغیرہ میں وضاحت موجود ہے۔ "ہدایہ شریف" کی عبارت یہ ہے کہ:-

"امام اعظم اور امام ابو یوسف - رحمہما اللہ - کی دلیل یہ ہے کہ کسی شے کا بائع و مشتری کے حق میں ثمن ہونا ان کی اپنی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ غیر کو عاقدین پر ولایت (Guardianship) حاصل نہیں، لہذا وہ اپنی اصطلاح میں

ثمنیت کو باطل بھی کر سکتے ہیں، اور ثمنیت باطل ہو جانے کے بعد پیسوں کو معین کرنے سے پیسے معین بھی ہو جائیں گے، نیز ثمنیت باطل ہو جانے کے بعد پیسے تولنے والی چیز نہیں ہوں گے؛ کیونکہ اصطلاح میں ان کا گنتی والی شے ہونا باقی ہے۔"

("الهدایة" فی شرح "بداية المبتدی"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۳، ص ۶۳)

عنقریب ہم آپکو بتائیں گے کہ امام محمد - رحمہ اللہ - بھی بیع سلم میں ثمنیت کے باطل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، مگر انہوں نے بیع میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار فرمایا، اس تفصیل سے اس مسئلہ پر ہمارے تمام ائمہ کا اجماع ثابت ہوا، لہذا اس صورت میں چاندی کے روپے یا سونے کی اشرفی کے عوض پیسوں کی بیع سلم کرنا ثمن کی بیع سلم (V. alivrer) نہیں اور نہ ہی اس صورت میں تول کر دی جانے والی دو چیزوں کی بیع سلم ہے، بلکہ تول والی چیز کے عوض گن کر بیچی جانے والی چیز کی بیع سلم ہے، جس کے افراد آپس میں مشابہت رکھتے ہیں، اور ہمارے علماء - رحمہم اللہ تعالیٰ - کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحاصل بندہ ضعیف (امام اہلسنت علیہ الرحمۃ) علامہ قاری الہدایہ کے اس

فتویٰ کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں جانتا، آپ غور کریں شاید ان کے کلام کے لئے کوئی

ایسی وجہ ہو جو میں اپنی کم فہمی (Ignorance) سے نہ جان پایا ہوں اور کیا عجب کہ ان

علامہ کثیر المعرفہ - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ - کی بہ نسبت میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں.....!۔

پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی ہمیں یہ کہنے کا اختیار حاصل ہے کہ علامہ قازی الہدایہ صاحب کا بیان کردہ حکم پیسوں (سکوں) ہی میں جاری ہوتا ہے، جبکہ نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے؛ کیونکہ کاغذ کے پرچے، عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے^(۱)۔ لہذا معیار (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا، جیسے غلہ سے ایک مٹھی اور سونے سے ایک ذرہ کو شامل نہیں ہوتا، لہذا ہمارا یہ مسئلہ ہر حال میں مخالفت سے محفوظ ہے اور تمام خوبیاں تو اللہ بزرگی والے کے لئے ہی ہیں۔ تحقیق ایسی ہی ہونی چاہئے اور توفیق دینے والا تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

..... اس بات کا تعلق امام اہلسنت کے زمانے کے عرف سے ہے، جبکہ ہمارے عرف میں کاغذ دونوں طرح سے بکتا ہے، یعنی تول کر بھی اور گن کر بھی۔ ہاں! جہاں تک نوٹ کا تعلق ہے وہ اب بھی گن کر فروخت ہوتا ہے تول کر فروخت نہیں ہوتا۔ اس کی واضح مثال عیدین یا دیگر تہوار کے مواقع پر لوگ کڑک اور نئے نوٹوں کی دستیاں زائد رقم دیکر خریدتے ہیں اور یہ سارا معاملہ گن کر ہی ہوتا ہے، مگر خیال رہے کہ اگر نوٹ کو نوٹ کے عوض بیچا جائے تو کمی بیشی جائز ہے مگر جنس یعنی کاغذ ہونے کی وجہ سے ادھار ناجائز ہے۔ ہاں البتہ! اگر مختلف ممالک کے نوٹ ہوں تو کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں، بس ایک جانب سے قبضہ کافی ہے مثلاً پاکستانی روپیہ کو سعودی ریال کے عوض بیچا تو ریال یا روپیہ میں سے کسی ایک پر اسی مجلس میں قبضہ کافی ہے۔

سوال ۱۰: کیا اس نوٹ میں بیع سلم جائز ہے؟

الجواب

جی ہاں! نوٹ میں بیع سلم جائز ہے، لیکن بعض اوقات نوٹ کے ثمن (Money) ہونے کی وجہ سے اسے ناجائز بھی کہا جاتا ہے؛ کیونکہ ثمن میں بیع سلم جائز نہیں اس کی تفصیل "نہر الفائق" کے حوالے سے پیچھے گزر چکی۔

پیسوں میں بیع سلم کے حواز کی تحقیق

مگر تحقیق یہ ہے کہ نوٹ میں بیع سلم کا بیان امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - سے مروی ایک روایتِ نادرہ پر مبنی ہے، ورنہ متون میں تو پیسوں میں بیع سلم کے جائز ہونے پر نص ہے، ہاں! ثمنِ خلقی میں بیع سلم جائز نہیں اور ثمنِ خلقی صرف سونا اور چاندی ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور نہیں؛ کیونکہ بائع و مشتری سونا چاندی کی ثمنیت کو باطل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، جبکہ ثمنِ اصطلاحی کی ثمنیت باطل کی جاسکتی ہے "تنویر الابصار" اور "در مختار" میں ہے کہ بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی صفت کا تعین ہو سکے، مثلاً اس چیز کا کھرا یا کھوٹا ہونا اور اس کی قدر (Weight And Measurement) کی پہچان ہو سکے، مثلاً ناپ والی چیز یا موزونی چیز۔

مصنف (علامہ شمس الدین ترمذی صاحب "تنویر الابصار") کے اس قول سے کہ "وہ چیز ثمن نہ ہو" چاندی کے روپے اور سونے کی اشرفیاں بیع سلم کے حواز سے نکل گئے؛ کیونکہ یہ دونوں ثمن ہیں لہذا ان میں بیع سلم جائز نہیں، اس مسئلہ میں امام

مالک - رحمۃ اللہ علیہ - کا احناف سے اختلاف ہے، "یا وہ گن کر نیچی جانے والی چیز ہو، تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوں، یعنی حجم (Size) میں زیادہ فرق نہ ہو، جیسے اخروٹ یا انڈے اور پیسے....." الخ۔ ("الدر المختار" فی شرح "تنویر الأبصار"،

کتاب البیوع، باب السلم، ج ۷، ص ۴۷۹، ۴۸۰)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: "مصنف نے جو یہ فلس (پیسہ) کہا بہتر یہ ہے کہ فلوس (پیسے) کہتے؛ کیونکہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسم جنس نہیں ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - کا اختلاف ہے؛ کیونکہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسے کے بدلے میں بیچنے سے منع فرماتے ہیں، مگر ان سے جو روایت مشہورہ مروی ہے اس کے مطابق یہ بھی امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - اور امام ابو یوسف - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ - کے ساتھ اس مسئلہ کے جائز ہونے پر متفق ہیں، اور ان کا جو قول صاحبین - رحمہما اللہ - کے مخالف ہے "نہر الفائق" وغیرہ میں منقول ہے۔

("رد المحتار" فی شرح "الدر المختار"، کتاب البیوع، باب السلم، ج ۷، ص ۴۸۰)

شاید "نہر الفائق" نے یہ بات قاری الہدایہ کے فتویٰ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تا کہ یہ بات ان کے فتویٰ کے لئے سند ہو جائے، اگرچہ نوادر میں ہی، چنانچہ اس قول کی بنا پر علامہ قاری الہدایہ کے فتویٰ پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، نیز "ہدایہ" میں ہے کہ اسی طرح پیسوں میں بھی بیع سلم جائز ہے، جبکہ گنتی کر کے دیئے جائیں اور یہ قول ہے

کہ "پیسوں میں بیع سلم جائز ہے" امام اعظم اور امام ابو یوسف - رحمہما اللہ - کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - کے نزدیک ناجائز ہے؛ کیونکہ پیسے ثمن ہیں، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اصطلاح کی وجہ سے ہے، لہذا پیسوں میں بیع سلم کرنے کی صورت میں ان کی اپنی اصطلاح سے پیسوں کی ثمنیت باطل ہو جائے گی۔

("الهدایة" فی شرح "بداية المبتدي"، کتاب البيوع، باب السلم، ج ۳، ص ۷۱)

"فتح القدير" میں ہے کہ پیسوں میں بیع سلم جائز ہے، جبکہ گنتی کر کے ہو، امام محمد نے بھی اس قول کو "جامع" میں ذکر فرمایا، مگر کسی اختلاف کو ذکر نہیں فرمایا، اور یہی قول امام محمد سے روایت مشہورہ کے طور پر مروی ہے، جبکہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ قول تو شیخین کا ہے، اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک دو پیسوں کو ایک پیسے کے عوض بیچنا منع ہے؛ کیونکہ پیسے ثمن ہیں اور ثمن میں بیع سلم جائز نہیں، مگر امام محمد سے مروی روایت مشہورہ میں ان کے نزدیک بھی پیسوں میں بیع سلم جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک بیع مطلق (Absolute sale) اور بیع سلم میں یہ فرق ہے کہ بیع سلم میں ضروری ہے کہ جو چیز بعد میں دینا قرار پائے وہ ثمن نہ ہو، لہذا جب بائع و مشتری پیسوں میں بیع سلم کو منعقد کریں گے تو گویا انہوں نے ضمناً ان کی ثمنیت کی اصطلاح کو باطل کر دیا اور پیسوں کی بیع سلم اسی طریقے سے جائز ہے جس

طریقے سے ان کا لین دین ہوتا ہے یعنی گن کر، بخلاف بیع مطلق کے؛ کیونکہ بیع مطلق تو ثمن پر بھی منعقد ہو سکتی ہے، لہذا بیع مطلق میں پیسوں کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب (Motive/Cause) نہیں، لہذا کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع منع ٹھہری۔

("فتح القدیر" ، کتاب البیوع ، باب السلم ، ج ۶ ، ص ۲۰۸ ، ۲۰۹)

مگر میں کہتا ہوں کہ اس فرق پر ایک اعتراض (Objection) وارد ہو سکتا ہے؛ کیونکہ امام محمد اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ فقط عاقدین کے ارادہ کرتے ہی پیسوں کی ثمنیت باطل ہو جائے، حالانکہ باقی سب لوگ ان کے ثمن ہونے پر متفق ہیں۔ "ہدایہ" میں فرمایا کہ "امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسے کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے؛ کیونکہ پیسوں کا ثمن ہونا تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے، لہذا فقط ان دو کی اصطلاح سے باطل نہیں ہوگا، نیز جب پیسوں کی ثمنیت باقی رہے تو وہ متعین نہیں ہونگے، تو یہ گویا ایک پیسے کو دو غیر معین پیسوں کے بدلے بیچنے اور ایک معین روپے کو دو معین روپوں کے بدلے بیچنے کی طرح ہو گیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین کے لئے ثمنیت انہی کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اور باطل بھی ان ہی کی اصطلاح سے ہو جائیگی۔"

("الہدایہ" ، کتاب البیوع ، باب الربا ، ج ۳ ، ص ۶۳)

لہذا اگر یہ پیسوں کی ثمنیت باطل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اور جب ثمنیت باطل ہوگی تو پیسے متعین ہو جائیں گے۔ محقق علی الاطلاق نے "فتح القدر" میں امام ابو یوسف کی اس دلیل کو اسی طریقے سے مقرر رکھا، لہذا امام محمد کیسے فرما سکتے ہیں کہ عاقدین کا پیسوں میں بیعِ سلم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ان کے ثمن ہونے کی اصطلاح کو باطل مان لیا ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک فقط عاقدین ثمنیت کی اصطلاح کو باطل نہیں کر سکتے جبکہ باقی لوگ پیسوں کو ثمن مانتے ہوں، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام محمد کے اس قول کے ذریعے انکا پہلی علت سے رجوع کرنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ وہ علت امام محمد سے منقول نہیں، بلکہ مشائخ کی پیدا کردہ ہے تو اب اس فرق سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ علت نہیں ہے، بلکہ امام محمد بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے (Nullify) کا اختیار ہے، مگر یہ ثمنیت اس وقت باطل ہوگی جب عاقدین سے ثمنیت باطل کرنے کا ارادہ ثابت ہو جائے، اور بیعِ سلم میں یہ ارادہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اس بیع میں مُسلم فیہ یعنی جو چیز بعد میں وعدہ پر لینا قرار پاتی ہے وہ کبھی ثمن (Money) نہیں ہو سکتی، لہذا ان کا پیسوں میں بیعِ سلم کرنا ہی ان پیسوں کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے جبکہ بیع میں یہ ارادہ ثابت نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں بیع کا غیر ثمن (Currency Less) ہونا ضروری نہیں، لہذا عاقدین سے اصطلاحِ ثمنیت کو باطل کرنا ثابت نہ ہوا، تو پیسوں کا ثمن ہونا باقی رہا، لہذا

وہ متعین نہ ہوئے، اسی لئے بیع باطل ہوئی، اور کبھی کبھار اس مسئلہ میں امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - کے قول کو بھی ترجیح دی جاتی ہے اسے خوب سمجھ لو (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال ۱۱: کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے زائد قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ مثلاً بارہ کانوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا۔

الجواب

جی ہاں! نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہو اس سے کم یا زائد جس پر بیچنے والا اور خریدار دونوں راضی ہو جائیں اس قیمت میں بیچنا جائز ہے؛ کیونکہ پچھلے کلام میں گزر چکا ہے کہ نوٹ کی قیمت کی مقدار فقط لوگوں کی اصطلاح سے مقرر ہوئی ہے اور بائع و مشتری پر کسی غیر کو ولایت حاصل نہیں، جیسا کہ "ہدایہ" اور "فتح القدیر" کے حوالے سے گزرا، لہذا ان دونوں کو اختیار ہے کہ نوٹ کو مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ جتنی قیمت میں چاہیں بیچیں، عقل مند کے لئے تو اتنا ہی جواب کافی ہے، میں نے کئی مرتبہ اسی موقف کے مطابق

..... یہ بات اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد، صحیح کرنے کی ضرورت ہی اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کا نفس عقد سے مفہوم ہونا ضروری نہیں، جیسے اگر کوئی چاندی کے ایک روپے اور سونے کی دو اشرفیوں کو چاندی کے دو روپے اور سونے کی ایک اشرفی کے عوض بیچے تو اس صورت کو جائز قرار دیا جائے گا اور جواز کا طریقہ یہ ہوگا کہ جنس (Species) کو غیر جنس کی طرف پھیر دیں گے حالانکہ نفس عقد میں جنس کے عوض جنس ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز سود (Usury) کا شبہ گویا سود ہی ہوتا ہے لہذا عقد کو صحیح قرار دینے کا باعث یہی حاجت ہے اور ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

فتویٰ دیا اور اکابر علماء ہند میں سے متعدد علماء نے بھی یہی فتویٰ دیا، مثلاً فاضل کامل مولوی ارشاد حسین رامپوری۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ وغیرہ اس فتویٰ میں مجھ سے صرف ایک شخص (مولوی عبدالحی لکھنوی) نے اختلاف کیا جنہیں اکابر علماء میں شمار کیا جاتا ہے مجھے ان کے اختلاف کی اطلاع ان کی وفات کے بعد اس وقت ہوئی جب کچھ مختصر اوراق ان کے فتاویٰ کے نام سے چھپے، اگر ان کی حیات میں ان سے اس مسئلہ پر میرا تبادلہ خیال ہوتا تو امید تھی کہ وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیتے؛ کیونکہ ان کی عادت تھی کہ اگر انہیں سمجھایا جاتا اور بات ان کی سمجھ میں آ جاتی تو وہ اپنے موقف سے رجوع کر لیا کرتے تھے، لہذا ہم اس مسئلہ کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ حق کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔

جواز (Correctness) کی پہلی دلیل (۱)

لہذا پہلے میں یہ کہوں گا کہ ہمارے جمہور علماء کرام۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ نے تصریح فرمائی ہے کہ سود (Usury) کے حرام ہونے کی علت اتحاد جنس کے وقت ناپ تول میں کمی بیشی ہے، لہذا اگر قدر (Weight and Measurement) و جنس (Species) دونوں پائی جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر قدر و جنس دونوں نہ پائی جائیں تو زیادتی و ادھار دونوں حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی

!..... مولانا لکھنوی صاحب پر پہلا رد۔

جائے تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو کہیں نہیں ٹوٹتا اور سود کے تمام مسائل کا دار و مدار اسی قاعدے پر ہے، نیز یہ بات نہایت واضح ہے کہ نوٹ اور چاندی کا روپیہ نہ تو قدر میں برابر ہے، اور نہ ہی جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ نوٹ کاغذ کا ہے اور روپیہ "چاندی" کا جبکہ قدر میں اس لئے نہیں کہ نوٹ کا لین دین نہ تو ناپ کر کیا جاتا ہے، اور نہ ہی تول کر، بلکہ اس کا لین دین گن کر ہی کیا جاتا ہے۔

لہذا نوٹ کو زائد قیمت پر اور ادھار دونوں طرح سے بیچنا جائز ہیں، اس لیے کہ نوٹ سرے سے مال ربا یعنی ایسا مال ہی نہیں جس میں سود جاری ہو سکے۔ ہم عنقریب اس کی مزید تحقیق (Research) بیان کریں گے، ان شاء اللہ عزوجل

جواز کی دوسری دلیل (۱)

"ردالمحتار" وغیرہ میں فرمایا: جب جب زیادتی حرام ہوگی تو ادھار بھی حرام ہوگا اور اس کا عکس نہ ہوگا، یعنی یہ نہیں ہوگا کہ جب زیادتی حلال ہو تو ادھار بھی حلال ہو، اور جب جب ادھار جائز ہو تو زیادتی بھی حلال ہوگی، اور اس کا عکس نہ ہوگا یعنی یہ نہیں ہوگا کہ جب ادھار ناجائز ہو تو زیادتی بھی ناجائز ہو۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب فی الإبراء عن الربا، قولہ:

(متفاضلاً) ج ۷، ص ۴۲۴)

اور ہم نویں سوال میں نوٹ میں ادھار کے جائز ہونے پر دلیل قطعی قائم

..... مولانا لکھنوی صاحب پر دوسرا رد۔

کر چکے ہیں، لہذا نوٹ میں زیادتی کا حلال ہونا واضح ہو گیا، مزید تفصیل کا انتظار کرو۔

جواز کی تیسری دلیل (۱)

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علی وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو)) اس حدیث کو امام مسلم - رحمہ اللہ تعالیٰ -

نے حضرت عبادہ بن صامت - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے روایت کیا۔

("صحیح مسلم"، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الصرف وبيع الذهب... إلخ، رقم

الحدیث: ۱۵۸۷، ص ۸۵۶)

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے؟

جواز کی چوتھی دلیل (۲)

یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہیں، اب میں تمہارے سامنے ایک

ایسی چیز بیان کروں گا جس سے تمہاری عقل میں کچھ شبہ پیدا ہوگا اور پھر میں حقیقت بیان کر کے اس شبہ کا ازالہ کر دوں گا۔

میں کہتا ہوں: ذرا یہ بتائیے کہ کیا آپ اور ہر عقل و فہم رکھنے والا نہیں جانتا کہ

وہ چیز جس کی عام قیمت سب کے نزدیک دس روپے ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ خریداری کی

مرضی سے اسے سو روپے میں بیچ دے یا ایک پیسہ کے بدلے میں دیدے! شریعت

مطہرہ نے اس سے ہرگز منع نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۲..... مولانا لکھنوی صاحب پرچو تھارڈ۔

۱..... مولانا لکھنوی صاحب پر تیسرا رڈ۔

﴿الآن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ (پ ۵، النساء: ۲۹)

ترجمہ کنز الایمان: "مگر یہ کہ سودا تمہاری آپس کی رضامندی کا ہو"

اور بیشک "فتح القدر" کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ "اگر کوئی شخص کاغذ کے ایک ٹکڑے کو ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے، اور اس میں بالکل کراہت نہیں۔"

("فتح القدر"، کتاب الکفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج ۶، ص ۳۲۴)

نیز ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ایک ہزار روپے ہرگز نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی سو روپے ہو سکتی ہے بلکہ ایک روپیہ بھی نہیں ہو سکتی تو اس نوٹ کی اتنی بڑی قیمت ہونے کا سبب یہی ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں، اور بائع و مشتری پر قیمت (بازار کے ریٹ) کی پابندی ثمن (یعنی جو کچھ ان کے درمیان طے ہوا) میں ضروری نہیں، بلکہ ان دونوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو بازاری قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت پر رضامند ہو جائیں اور چاہیں تو قیمت کے سوویں حصے پر راضی ہو جائیں۔

لکھنوی صاحب کی طرف سے ایک شبہ

اگر تم یہ کہو کہ یہ تو متاع کا حکم ہے جبکہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے۔

اس کا پہلا جواب (۱)

تو میں یہ کہوں گا اگر نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کیا ہوا؟ تم نے اصطلاحی کہہ کر

..... مولانا لکھنوی صاحب پر پانچواں رد۔

خود ہی جواب ظاہر کر دیا کہ دوسروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کر سکتی، چنانچہ تمہارا بیان کردہ فرق بیکار اور ضائع ہو گیا اور حق واضح۔

دوسرا جواب (۱)

اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ عاقدین نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کر سکتے تو یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کہاں سے کہا کہ اصطلاحی ثمن کو مالیت کی مقررہ مقدار سے پھیرنا جائز نہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ ایک روپے کے پیسے عرف کے معین کرنے سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں، اور یہ بات ہر سمجھ دار بچہ بھی جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہوتا ہے، پندرہ یا سترہ آنے کا نہیں ہوتا، پھر پھر فی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔

نیز "تنویر الابصار" اور اس کی شرح "در مختار" میں ہے کہ اگر کسی نے صراف (Money Changer) کو چاندی کا ایک روپیہ دیا اور کہا: "اس کے بدلے مجھے آٹھ آنے کے پیسے دیدو اور ایک سکہ دیدو جو اٹھنی سے رتی بھر کم ہو" تو یہ بیع جائز ہے۔ روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے عوض ہو جائے گی اور باقی چاندی کے عوض پیسے ہو جائیں گے۔

("الدر المختار" فی شرح "تنویر الأبصار"، کتاب البیوع، باب الصرف، ج ۷،

ص ۵۷۳، ۵۷۴)

..... مولانا لکھنوی صاحب پرچھٹارو۔

پیش کش: مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

اور "ہدایہ" کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے: "اگر کہا آٹھ آنے کے پیسے دیدو اور ترقی کم اٹھنی تو یہ بیع جائز ہے۔"

("الهدایة" فی شرح "بداية المبتدی"، کتاب الصرف، ج ۳، ص ۸۶)

تیسرا جواب (۱)

ممن اصطلاحی سے اوپر سونا اور چاندی کی طرف چلیے کہ یہ اصل پیدائش میں ممن (Real Money) ہیں، اور کوئی شخص ان کی ثمنیت باطل نہیں کر سکتا، نیز ہر عقلمند یہ جانتا ہے کہ سونے کی ایک اشرفی (One Gold Coin) ہمیشہ چاندی کے کئی روپوں (Many Silver Coins) کے برابر ہوتی ہے، اور کوئی اشرفی ہرگز چاندی کے ایک روپے کے برابر نہیں ہوتی، اس کے باوجود ہمارے ائمہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ایک اشرفی کو چاندی کے ایک روپے کے عوض بیچنا درست ہے، اور اس میں اصلاً سود نہیں، اور اس کی علت (Cause) فقط یہ ہے کہ جب جنس مختلف ہو جائے تو کمی بیشی جائز ہو جاتی ہے، اور نوٹ اور چاندی کے روپوں کی جنس کا مختلف ہونا سوائے پاگل کے ہر ایک پر ظاہر ہے "در مختار" اور "ہدایہ" کی طرح دیگر کتب میں فرمایا کہ "سونے کی ایک اشرفی اور چاندی کے دو روپوں کو چاندی کے ایک روپے اور سونے کی دو اشرفیوں کے بدلے بیچنا درست ہے"۔ اس صورت میں ہر جنس کو جنس مخالف کے مقابل کر دیا جائے گا، اسی طرح چاندی کے گیارہ روپوں کو چاندی کے دس روپوں اور سونے کی ایک

..... مولانا لکھنوی صاحب پر ساتواں رد۔

اشرفی کے عوض بیچنا بھی درست ہے۔

("الدر المختار" فی شرح "تنویر الأبصار"، کتاب البیوع، باب الصرف، ج ۷،

ص ۵۶۳، ۵۶۴۔ "الہدایۃ" فی شرح "بدایۃ المبتدی"، کتاب الصرف، ج ۳، ص ۸۳)

"ردالمحتار" میں اس کی شرح میں فرمایا کہ "چاندی کے دس روپے تو دس

روپوں کے عوض ہو جائیں گے اور گیارواں روپیہ ایک اشرفی کے عوض ہو جائے گا۔"

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع المفضض... إلخ، ج ۷،

ص ۵۶۴)

لہذا جب سونے کی ایک اشرفی کو جو عموماً چاندی کے پندرہ روپے کے برابر

ہوتی ہے چاندی کے ایک روپے کے بدلے بیچنا درست ہے اور اس میں بالکل سود نہیں،

تو دس کے نوٹ کو بارہ روپوں کے عوض بیچنے میں سود کیسے ہوگا؟ اگر اس میں بھی سود مانو

تو یہ نرا بہتان ہے۔

ایک اعتراض کی تقریر

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جو مسائل آپ نے بیان کئے ان صورتوں میں بیع

اگرچہ درست ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ کام کا کرنا ممنوع ہوتا ہے، لہذا اگرچہ مکروہ کام

کرنے سے وہ کام ہو تو جاتا ہے مگر حلال نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان صورتوں میں بیع اگرچہ

ہو جاتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی۔

"ہدایہ" میں ہے کہ "اگر کوئی شخص چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے کے عوض بیچے اور ایک طرف کمی ہو اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اس میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دے جس سے کمی پوری ہو جائے تو بیع بلا کراہت جائز ہے، اور اگر کمی پوری نہ ہو تو یہ بیع ہو تو گئی مگر مکروہ ہے، اور اگر اس اضافہ شدہ چیز کی کوئی قیمت نہ ہو، جیسے کہ مٹی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی تو اس صورت میں بیع جائز ہی نہ ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں سود موجود ہے، اس لیے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی، دوسری طرف اس کے مقابلے میں کچھ نہیں، لہذا اس صورت میں سود پایا گیا۔"

(الهدایة "فی شرح" بدایة المبتدی"، کتاب الصرف، ج ۳، ص ۸۳)

اس کلام کو "فتح القدر" اور دیگر شروحات اور "بحر" و "ردالمحتار" وغیرہا میں اسی طرح برقرار رکھا گیا، اور یہ بات تو واضح ہے کہ جب لفظ "کراہت" مطلق بولا جائے تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے، بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ "درر" میں اس مسئلہ کو نقل کر کے اس کی تفصیل کو "فتح القدر" کے حوالے کیا، اور کہا: جب آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہو چکا تو سنو کہ سلطنت عثمانیہ میں جو یہ رائج ہے کہ ایک قرش (ترکی کی کرنسی کا ایک سکہ) کو ۸ عثمانی روپوں کے بدلے بیچا جاتا ہے؛ جائز نہیں؛ کیونکہ قرش مالیت میں زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں! اگر روپوں کے ساتھ ایک پیسہ کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو یہ خرید و فروخت جائز ہے مگر مکروہ ہے، لہذا محتاط لوگوں پر واجب ہے کہ وہ لین دین کے وقت

وزن برابر کر لیں یا پھر روپوں کے ساتھ اتنی قیمت والی چیز ملا لیں جتنی قرش میں روپوں سے زائد ہوتی ہے تاکہ کراہت سے بچ سکیں۔

("حاشیۃ الدرر" لعبد الحلیم)

جب انہوں نے کراہت سے بچنے کو واجب قرار دیا تو واجب کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور مکروہ تحریمی گناہ ہوتا ہے، لہذا بیع کی یہ تمام صورتیں گناہ ہوئیں۔ میں یہ کہوں گا کہ میں نے آپ کے سامنے اس انداز میں اعتراض کی تقریر کر دی کہ اگر آپ اپنی طرف سے اعتراض کرتے تو شاید اس سے بہتر اعتراض نہیں کر سکتے تھے، اور لیجئے اب.....! وہاب۔ جل جلالہ۔ کی توفیق سے جواب سنئے۔

جواب

اول : آپ یہ بتائیے کہ کسی چیز کی خلقیت (پیدائش) اور اصطلاح (Terminology) کا فرق آپ کے ذہن سے کہاں چلا گیا؟ کیونکہ سونے کی مالیت کا چاندی کی مالیت سے کئی گنا زائد ہونا ایک خلقی امر ہے، جس میں کسی کے فرض کرنے یا مقرر کر دینے کو بالکل دخل نہیں اس لئے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی کے لین دین کے وقت مالیت کی زیادتی ہر ایک کے ذہن میں آ جائے گی بخلاف نوٹ کے؛ کیونکہ اگر اس کی قیمت دس روپے ہے تو یہ صرف لوگوں کی اصطلاح کی بناء پر ہے، ورنہ کاغذ بذات خود ایک روپے کا بلکہ روپے کے دسویں حصے کا بھی نہیں ہوتا۔ اگر آپ اصل کا لحاظ

کریں تو دس کا نوٹ دس روپے کے عوض بیچنے کی صورت میں بھی مالیت میں زیادتی ہے، اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح کا لحاظ بائع و مشتری پر ضروری نہیں، بلکہ یہ لوگ اصطلاح باطل بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ ہم آپ کو "ہدایہ" اور "فتح القدر" کے اقوال سنا چکے۔ لہذا جب لوگوں نے نوٹ کو دس روپے کا قرار دے دیا حالانکہ یہ اصل میں شاید ایک ہی پیسے کا ہو۔ تو بائع و مشتری کو دس کا نوٹ دس سے کم یا زیادہ قیمت میں بیچنے سے کون منع کر سکتا ہے، چنانچہ اب اس مسئلہ کو کوئی آنچ نہیں جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔

دوم : ان کا کلام اس صورت میں ہے جب ایک جنس کے عوض اسی جنس کا لین

دین ہو؛ کیونکہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ کیا آپ نے "ہدایہ" کا یہ قول نہیں دیکھا کہ "جب چاندی کے عوض چاندی یا سونے کے عوض سونا بیچا، اور ایک طرف کمی ہے۔"

("الهدایة" فی شرح "بداية المبتدی"، کتاب الصرف، ج ۳، ص ۸۳)

اور یوں نہیں فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک

طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنے برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر

ہو جائے گی اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم چیز کے ساتھ ملائی گئی ہے اس

زیادتی کی مقدار کو پہنچتی ہے یا نہیں، بخلاف اُس کے کہ نوٹ کو چاندی کے روپوں کے

عوض بیچا؛ کیونکہ وہ دو مختلف جنسیں ہیں تو پھر زیادتی کیسے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل

کے مطابق کیسے ہوگی.....!؟

سود کی تعریف

"فتح القدير" میں علامہ محقق علی الاطلاق - رحمۃ اللہ علیہ - نے فرمایا کہ "سود

اس زیادتی (Excess) کو کہتے ہیں جس کا حقدار عقد معاوضہ میں عاقدین (Seller and Purchaser) میں سے کسی ایک کو قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابلے میں کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو"۔

("فتح القدير"، كتاب البيوع، باب الربا، ج ٦، ص ١٥١)

اور آپ کو معلوم ہوگا کہ عوض سے خالی ہونا اس وقت ثابت ہوگا جب کسی شے کا مقابلہ اسی کی جنس سے کیا جائے۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- ((جب دو چیزیں مختلف جنس کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو))۔

("نصب الراية لأحاديث الهداية"، كتاب البيوع، ج ٤، ص ٧)

یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے، وہی صاحب شرع ہیں، انہیں کی طرف رجوع اور انہیں کے ہاں پناہ ہے، لہذا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی کی طرف رد کیا جائے گا، اور اس کی بات ہرگز نہیں سنی جائیگی۔

سوم : جس بیع میں کم چاندی یا سونے کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت، زیادہ

چاندی یا سونے کی مقدار کو نہ پہنچے، اس کا مکروہ ہونا صرف امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - سے

مروی ہے، حالانکہ امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - نے جن کا قول مذہبِ حنفی میں سب سے مقدم ہوتا ہے۔ تصریح فرمائی ہے کہ اس میں بالکل کراہت نہیں، محقق علی الاطلاق نے "فتح القدير" میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا: امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - سے عرض کی گئی آپ اس کو اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا: "پہاڑ کی طرح گراں" حالانکہ امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے اس کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ "ایضاح" میں یہ تصریح موجود ہے کہ امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کے نزدیک اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔

("فتح القدير"، كتاب الصرف، ج 6، ص 271)

عنقریب اسی کے مثل "بحر" سے بحوالہ "قنیہ" ایک مسئلہ پیش کیا جائے گا جس میں امام بقالی - رحمہ اللہ - نے فرمایا کہ "اس صورت میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - دونوں کا مذہب ہے"، نیز "فتاویٰ عالمگیری" میں باب الکفالة سے کچھ پہلے امام سرحسی - رحمہ اللہ تعالیٰ - کی "محیط" کے حوالے سے امام محمد - رحمہ اللہ تعالیٰ - کا قول نقل ہے کہ "اگر ایک روپے کو ایک روپے کے عوض بیچا اور ان میں سے ایک روپے کا وزن دوسرے سے زیادہ ہو، نیز کم وزن والے روپے کے ساتھ کچھ پیسے ملا دیئے تو یہ بیع جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں؛ کیونکہ اس طرح سے لوگ اس کے عادی (Habitual) ہو جائیں گے اور ناجائز کاموں میں بھی اس پر عمل شروع کر دیں گے، جبکہ امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج

نہیں؛ کیونکہ روپے میں پائی جانے والی وزن کی زیادتی کو پیسوں کے مقابل کر دینے سے اس بیع کو درست قرار دینا ممکن ہے۔"

("الفتاویٰ الہندیہ"، کتاب البیوع، الباب السادس فی المتفرقات، ج ۳؛ ص ۲۵۱)

الحاصل امام اعظم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ عمل اور فتویٰ ہمیشہ امام اعظم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کے قول پر ہوتا

ہے، مگر ضرورت کے تحت جیسے مسلمانوں کا عمل امام کے قول کے خلاف ہو جائے تو

صاحبین وغیرہما۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کے قول پر فتویٰ دے دیا جاتا ہے، اور اس بات کی

تحقیق ہم نے "العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" کی کتاب النکاح میں اتنی

تفصیل سے بیان کر دی ہے جس پر زیادتی کی گنجائش نہیں۔

چہارم: سب سے روشن و حق بات یہ ہے کہ یہ کراہت (۱) صرف کراہت تنزیہی

ہے۔ کراہت کے مطلق ذکر سے دھوکہ نہ کھائیے گا؛ کیونکہ فقہاء اکثر کراہت کو مطلق ذکر

کرتے ہیں اور اس سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو شامل

..... اقول: محمد اور توفیٰ کیا جانا کون محمد.....! ارے وہ محمد جو علماء کے سردار اور مذہب مستقیم کی تحریر

و تلخیص فرمانے والے ہیں، وہ "جامع کبیر" میں (جو کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) فرماتے

ہیں: جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پتیل کسی میں

نصف چاندی، ان میں سے ایک قسم کے روپے کو دوسری قسم کے روپے کے عوض کم یا زیادہ قیمت پر

بیچنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ لین دین ہاتھوں ہاتھ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں ایک کھوٹے روپے کی =

= چاندی کو دوسرے کھوٹے روپے کے پیتل، اور پہلے کے پیتل کو دوسرے روپے کی چاندی سے بیچنا قرار دیا جائے گا۔ ہاں البتہ! ادھار بیچنا جائز نہیں؛ کیونکہ دونوں میں وزن پایا جا رہا ہے جو کہ سود (Usury) کی دو علتوں (Causes) سے ایک علت (Cause) ہے اور دونوں ثمن (Money) بھی ہیں، لہذا ادھار حرام ہے۔ جہاں تک ایک ہی قسم کے روپوں کو باہم کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا تعلق ہے تو اس میں اگر ایک طرف کی چاندی کھوٹ پر غالب ہے تو یہ ناجائز ہے؛ کیونکہ مغلوب کا اعتبار نہیں۔ تو گویا وہ خالص چاندی ہی ہے لہذا برابری ہی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا، اور اگر پیتل زیادہ ہے یا چاندی اور پیتل دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر روپے کی چاندی کا مقابلہ دوسرے روپے کے پیتل سے لریں گے اور اس میں لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ تعین کافی ہو، اسے "فتاویٰ ذخیرہ" کی کتاب البیوع کی چھٹی فصل میں نقل کیا اور کہا کہ اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ "ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی کے نام سے رائج ہیں ان میں سے ایک روپے کو دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ جب کمی بیشی جائز ہے تو جیسے ایک روپے کو دو روپے کے عوض بیچنا جائز ہے ویسے ہی سو یا ہزار کے عوض بیچنا بھی جائز ہوگا، اب فرض کیجئے.....! جس روپے میں دو تہائی پیتل ہے تو ل میٹر اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر ہوں گے، اور ان کا ایک روپیہ ان میں سے دس ہزار کو دست بدست بیچا اور یہ بات ضروری ہے

سٹھہرایا جائے تو چاندی کے دس ہزار روپے پیتل
ادہ مالیت میں کونسی زیادتی درکار ہے؟ اور یہ محزر
رج نہیں، تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کوئی کراہت
کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے! لہذا
ہے۔

العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

لوگ بیچنا شروع کر دیں
پیشہ

ہوں، نیز بعض اوقات مطلق کراہت کو ذکر فرما کر اس سے صرف کراہتِ تنزیہی مراد لیتے ہیں اور یہ بات فقہاء کرام کے نفیس کلمات کی خدمت میں زندگی بسر کرنے والے پر ہرگز پوشیدہ نہیں۔ نیز علماء کرام نے متعدد مقامات پر کراہت کے اس معنی کی تصریح فرمائی ہے، "ردالمحتار" میں باب الشہید سے کچھ پہلے فرمایا کہ امام طحاوی کے علاوہ دیگر علماء نے قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کے بارے میں جس کراہت کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد قضاء حاجت کے علاوہ دیگر صورتوں میں کراہتِ تنزیہی (۱) مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ یہاں اس کراہتِ مطلقہ سے مراد وہ معنی ہو سکتے ہیں جو کراہتِ تنزیہیہ اور تحریمہ دونوں کو شامل ہو، اور اس قسم کی باتیں علماء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں، نیز فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا بھی اس باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ("رد المحتار"، کتاب

الصلاة، قبیل باب الشہید، مطلب فی إهداء ثواب القراءة إلخ، ج ۳، ص ۱۸۴)

بلکہ "درمختار" کی فصل استنجاء میں مصنف کے اس قول کے نیچے: "عورت کے لئے بچہ کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھانا مکروہ ہے" یہ فرمایا کہ یہ کراہت تنزیہیہ اور تحریمہ دونوں کو شامل ہے۔ ("الدر المختار"، کتاب الطہارة، قولہ: وکذا یکرہ، ج ۱، ص ۶۱)

..... یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ "الامر باحترام المقابر" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا: "علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے"۔

اور علامہ شامی - علیہ الرحمۃ - نے مکروہاتِ وضوء میں فرمایا:
"مطلق کراہت سے ہمیشہ تحریمی ہی مراد نہیں ہوتی۔"

("رد المحتار"، کتاب الطہارۃ، مطلب فی الإسراف فی الوضوء، ج ۱، ص ۲۸۲)

نیز اس سے پہلے جہاں مصنف نے یہ فرمایا کہ مکروہ محبوب کی ضد ہے اور مکروہ کا لفظ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے، کبھی مکروہ تحریمی (Abominable) پر، اور کبھی مکروہ تنزیہی (Unpleasant) پر، پھر مصنف - علیہ الرحمۃ - نے "بحر الرائق" کے حوالے سے نقل کیا کہ اس باب میں مکروہ دو قسم کا ہوتا ہے:-

ایک مکروہ تحریمی: عموماً کراہت مطلقہ سے یہی مراد ہوتا ہے۔ دوسرا مکروہ تنزیہی: اس کے لئے بھی اکثر کراہت کو مطلق ہی ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ "منیہ" کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے، لہذا جب فقہاء کسی شے کو مکروہ فرمائیں تو اس کی دلیل پر نظر کرنا ضروری ہے، اگر وہ دلیل نہی (Evidence of Prohibition) ظنی (Suspected) ہو تو کراہت تحریمہ کا حکم دیں گے، مگر یہ کہ اس کراہت تحریم کو کوئی اور دلیل کراہت تنزیہی کی طرف پھیرنے والی نہ ہو، اور اگر وہ دلیل نہی ظنی نہ ہو بلکہ ترک غیر جازم (ممانعت) کا فائدہ دینے والی ہو تو وہ کراہت تنزیہی ہے۔

("رد المحتار"، کتاب الطہارۃ، مطلب: فی تعریف المکروہ وأنه قد یطلق... إلخ، ج ۱،

ص ۲۸۰، ۲۸۱، ملخصاً)

میں کہتا ہوں کہ متون مثل "تنویر" وغیرہ کے اس قول کہ "غلام کی امامت

مکروہ ہے" کا تعلق کراہت کی دوسری قسم یعنی کراہت تنزیہی سے ہے؛ کیونکہ

"درمختار" میں اس کے تحت فرمایا: یہ کراہت تنزیہی ہے۔ ("الدر المختار" فی شرح

"تنویر الأبصار"، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ج ۲، ص ۳۵۵)

جبکہ علامہ شامی نے "ردالمحتار" میں فرمایا کہ اس کے مکروہ تنزیہی ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ امام محمد نے "مبسوط" میں فرمایا: "ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند

ہے"، یہ بات "بحر الرائق" میں "مجتبیٰ" اور "معراج" کے حوالے سے نقل ہے۔

("رد المختار"، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد،

ج ۲، ص ۳۵۵)

یہ سب جان لینے کے بعد لازم ہے کہ دلیل تلاش کی جائے تاکہ واضح ہو کہ وہ

دونوں کراہتوں میں سے کونسی کراہت ہے، جیسا کہ دریائے علم نے "بحر الرائق" میں

افادہ فرمایا کہ:-

"ہم نے علماء کرام رحمہم اللہ کو دیکھا وہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال

کرتے ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت صرف

کراہت تنزیہیہ ہے۔" - "عنایہ" میں فرمایا کہ:-

"اس کی کراہت یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ سود کو دفع کرنے کا حیلہ ہے، اس

= چاندی کو دوسرے کھوٹے روپے کے پیتل، اور پہلے کے پیتل کو دوسرے روپے کی چاندی سے بیچنا قرار دیا جائے گا۔ ہاں البتہ! ادھار بیچنا جائز نہیں؛ کیونکہ دونوں میں وزن پایا جا رہا ہے جو کہ سود (Usury) کی دو علتوں (Causes) سے ایک علت (Cause) ہے اور دونوں ثمن (Money) بھی ہیں، لہذا ادھار حرام ہے۔ جہاں تک ایک ہی قسم کے روپوں کو باہم کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا تعلق ہے تو اس میں اگر ایک طرف کی چاندی کھوٹ پر غالب ہے تو یہ ناجائز ہے؛ کیونکہ مغلوب کا اعتبار نہیں۔ تو گویا وہ خالص چاندی ہی ہے لہذا برابری ہی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا، اور اگر پیتل زیادہ ہے یا چاندی اور پیتل دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر روپے کی چاندی کا مقابلہ دوسرے روپے کے پیتل سے لیں گے اور اس میں لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ تعیین کافی ہو، اسے "فتاویٰ ذخیرہ" کی کتاب البیوع کی چھٹی فصل میں نقل کیا اور کہا کہ اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ "ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی کے نام سے رائج ہیں ان میں سے ایک روپے کو دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ جب کمی بیشی جائز ہے تو جیسے ایک روپے کو دو روپے کے عوض بیچنا جائز ہے ویسے ہی سو یا ہزار کے عوض بیچنا بھی جائز ہوگا، اب فرض کیجئے.....! جس روپے میں دو تہائی پیتل ہے تول میر اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر ہوں گے، اور ان کا ایک روپیہ ان میں سے دس ہزار کو دست بدست بیچا اور یہ بات ضروری ہے کہ جنس (Species) کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرایا جائے تو چاندی کے دس ہزار روپے پیتل کے ایک روپے کے عوض بکے، تجھے اس سے زیادہ مالیت میں کونسی زیادتی درکار ہے؟ اور یہ محض مذهب ہیں کہ صاف فرما رہے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں، تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کوئی کراہت ہو تو وہ کراہت، تنزیہی ہی ہو، اور خود صاحب مذهب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے! لہذا اسی پر جم جاؤ اور بے شک اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

ہوں، نیز بعض اوقات مطلق کراہت کو ذکر فرما کر اس سے صرف کراہتِ تنزیہی مراد لیتے ہیں اور یہ بات فقہاء کرام کے نفیس کلمات کی خدمت میں زندگی بسر کرنے والے پر ہرگز پوشیدہ نہیں۔ نیز علماء کرام نے متعدد مقامات پر کراہت کے اس معنی کی تصریح فرمائی ہے، "ردالمحتار" میں باب الشہید سے کچھ پہلے فرمایا کہ امام طحاوی کے علاوہ دیگر علماء نے قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کے بارے میں جس کراہت کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد قضاء حاجت کے علاوہ دیگر صورتوں میں کراہتِ تنزیہی (۱) مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ یہاں اس کراہتِ مطلقہ سے مراد وہ معنی ہو سکتے ہیں جو کراہتِ تنزیہیہ اور تحریمہ دونوں کو شامل ہو، اور اس قسم کی باتیں علماء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں، نیز فقہاء کا مکروہاتِ نماز فرمانا بھی اس باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ("ردالمحتار"، کتاب

الصلاة، قبیل باب الشہید، مطلب فی إهداء ثواب القراءة إلخ، ج ۳، ص ۱۸۴)

بلکہ "درمختار" کی فصل استنجاء میں مصنف کے اس قول کے نیچے: "عمورت کے لئے بچہ کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھانا مکروہ ہے" یہ فرمایا کہ یہ کراہتِ تنزیہیہ اور تحریمہ دونوں کو شامل ہے۔ ("الدرالمختار"، کتاب الطہارة، قولہ: وکذا یکرہ، ج ۱، ص ۶۱)

..... یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ "الامر باحترام المقابر" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا: "علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیاراستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے۔"

صورت میں یہ بیع عینہ (Sale on Credit) کی طرح ہو جائیگی؛ کیونکہ حیلہ کر کے زیادہ چیز وصول کی گئی، یا پھر کراہت اس وجہ سے ہے کہ لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے، تو پھر ناجائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے۔

("العناية" هامش "فتح القدير"، كتاب الصرف، ج 6، ص 271، 272)

"فتح القدير" میں "ایضاح" سے دوسری وجہ (یعنی لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے اور ناجائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے) نقل فرمائی پھر فرمایا:-

"اسی طرح" محیط "میں ذکر کیا گیا ہے"۔ پھر فرمایا کہ:-

"بعض علماء مکروہ کہتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے سود سے بچنے کا حیلہ کیا" اور بالآخر وجہ اول میں اپنی پوری بات منحصر کر دی جو ابھی گزر چکی ہے۔

("فتح القدير"، كتاب الصرف، ج 6، ص 271)

اور صاحب "عنايہ" نے دونوں وجہیں ذکر کر کے اسی وجہ اول میں منحصر کر دیا، جہاں یہ فرمایا کہ کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اسے سود کی زیادتی کو ساقط کرنے کا ذریعہ بنایا۔

("العناية" هامش "فتح القدير"، كتاب الصرف، ج 6، ص 272)

اور اسی پر "کفایہ" میں انحصار کیا کہ وہ صرف اس لیے مکروہ ہے کہ وہ سود کی زیادتی کو ساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ کے ذریعے زیادتی حاصل کرے چنانچہ بیع عینہ

کی طرح مکروہ ہوا کہ وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

("الكفاية" مع "فتح القدير"، كتاب الصرف، ج 6، ص 271)

اور آپ جانتے ہیں کہ دوسری وجہ کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ خرابی و فساد کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہ ہو تو یہ مقام ورع (تقویٰ کا مقام) ہے اور ورع چھوڑنے سے کراہت تحریمی لازم نہیں آتی اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لے جائے گی کہ اس کے عادی ہو جائیں گے اور ناجائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے۔ اس طرح انہوں نے خود تصریح فرمادی کہ جائز جگہ میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور کراہت فقط اس خوف کی وجہ سے ہے کہ لوگ ناجائز جگہ اس پر عمل کرنا نہ شروع کر دیں۔

جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے تو وہ تو بالکل واضح ہے کہ سود کو ساقط کرنے کا حیلہ، سود سے بھاگنے کا ذریعہ ہے اور وہ منع نہیں، بلکہ ممنوع تو سود میں پڑنا ہے، اور بے شک ہمارے علماء کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ نے اس کے متعدد حیلے بیان فرمائے ہیں کہ زیادہ چیز لیں مگر سود نہ ہو۔ نیز امام فقیہ النفس قاضی خان نے تو اپنے فتاویٰ میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع فرمائی اور فرمایا کہ یہ فصل سود سے بچنے کے حیلوں کے بیان میں ہے۔

اس میں پہلا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کے کسی شخص پر دس روپے قرض

ہوں اور وہ اس قرض کو ایک معینہ مدت تک مؤخر کر کے دس کی جگہ تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اسے چاہئے کہ وہ مقروض (Debtor) سے کوئی چیز اُن قرضے والے دس روپوں کے عوض خرید کر اس چیز پر قبضہ کرے، پھر یہی چیز اس مقروض کو ایک سال کی مدت کے لئے تیرہ روپے میں بیچ دے، اس طرح یہ حرام سے بیچ جائے گا اور اسے تیرہ روپے بھی حاصل ہو جائیں گے، نیز اس طرح کا عمل نبی کریم - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کرنے کا حکم دیا ("الفتاویٰ الخانیۃ"،

کتاب البیع، باب فی بیع مال الربا، فصل فیما یکون فراراً عن الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

یہی حیلہ "بحر الرائق" میں بھی "خلاصہ" اور "نوازل" امام فقیہ ابواللیث

- رحمۃ اللہ علیہ - کے حوالے سے موجود ہے۔

دوسرا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے کچھ روپے قرض

مانگے اس طور پر کہ دینے والے کو سو کے بجائے ایک سو بیس روپے ملیں تو اس کا حیلہ یہ ہوگا

کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی سامان رکھ کر کہے کہ میں نے تجھے یہ

سامان سو روپے کے عوض بیچا قرض دینے والا وہ سامان خرید کر قرض لینے والے کو اس کی

قیمت ادا کر دے اور سامان پر قبضہ کرے، پھر قرض لینے والا کہے یہ سامان مجھے ایک سو

بیس روپے میں بیچ دو، تو قرض دینے والا وہ سامان اسے فروخت کر دے تاکہ اسے سو

روپے مل جائیں، اور سامان بھی قرض لینے والے کو واپس مل جائے اور قرض دینے

والے کے قرض لینے والے پر ایک سو بیس روپے لازم ہو جائیں، نیز احتیاط اس صورت میں زیادہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ "ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جو شرائط طے پائیں میں نے انہیں ترک کیا" پھر سامان کی خرید و فروخت کریں۔ ("الفتاویٰ الخانیة"، کتاب البیع، باب فی بیع مال

الربا، فصل فیما یكون فرارا عن الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

تیسرا حیلہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سامان بھی قرض دینے والے ہی کا ہو اور وہ

دس روپے دے کر ایک معینہ مدت پر اس سے تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو قرض

دینے والے کو چاہیے کہ وہ کوئی چیز قرض لینے والے کو تیرہ روپے میں بیچ دے اور وہ چیز

اس کے قبضہ میں دے دے، پھر قرض لینے والا وہ سامان کسی اجنبی کو دس روپے میں بیچ

کر وہ چیز اس اجنبی کے قبضہ میں دیدے اور وہ اجنبی قرض دینے والے کو وہی چیز دس

روپے میں بیچ دے اور اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو وہ دس روپے ادا

کر دے، اس طرح اجنبی پر قرض لینے والے کے جو دس روپے ادھارتھے وہ بھی ادا ہو

جائیں گے اور وہ چیز بھی دس روپے میں قرض دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی اور

اس کے تیرہ روپے قرض لینے والے پر ایک معینہ مدت تک کے لئے قرض ہو جائیں گے

("الفتاویٰ الخانیة"، کتاب البیع، باب فی بیع مال الربا، فصل فیما یكون فرارا عن الربا،

ج ۲، ص ۴۰۸)

چوتھا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا، لینے والے کے ہاتھ کوئی چیز ایک معینہ مدت تک کے لئے تیرہ روپے میں فروخت کر کے وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے اور قرض لینے والا وہ چیز کسی اجنبی کو بیچ دے، پھر قرض لینے والا اس اجنبی سے بیع فسخ (Annul) کر دے۔ خواہ وہ چیز اجنبی کے قبضہ میں دی ہو یا نہیں۔ اس کے بعد قرض لینے والا دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ کر دس روپے اس سے وصول کرے، اس طرح قرض دینے والے کو تیرہ اور لینے والے کو دس روپے حاصل ہو جائیں گے اور متاع اصل مالک (یعنی قرض دینے والے) کے پاس پہنچ جائے گا، اگرچہ قرض دینے والے نے اپنی بیچی ہوئی چیز کی قیمت وصول ہونے سے پہلے ہی اس سے کم قیمت میں خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے؛ کیونکہ بیچ میں دوسری بیچ آگئی جو قرض لینے والے اور اجنبی کے درمیان ہوئی تھی۔ ("الفتاویٰ الخانیة" ، کتاب البیع، باب فی بیع مال الربا، فصل فیما یکون فراراً عن الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی سامان ادھار بیچے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے، پھر قرض لینے والا اس سامان کو کسی دوسرے کے ہاتھ قیمت خرید سے کم قیمت کے عوض بیچ دے، پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کو وہ سامان اسی قیمت میں بیچے جس میں اس نے خریدی تاکہ وہ متاع اس کو مل جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو

قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔

میرے خیال میں یہ وہی حیلہ ہے جس کا ذکر گزر چکا امام قاضی خان نے فرمایا

کہ اسی حیلہ کا نام بیع عینہ (Sale on Credit) ہے جسے امام محمد - علیہ الرحمۃ - نے ذکر

فرمایا، نیز مشائخ بلخ فرماتے ہیں کہ بیع عینہ ہمارے بازاروں میں رائج آج کل کی بیوع

(Sales) سے بہتر ہے، اور امام ابو یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - سے روایت ہے کہ انہوں

نے بیع عینہ کو جائز فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس پر ثواب ملے گا ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ

اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے۔ ("الفتاویٰ الخانیۃ"، کتاب البیع، باب فی بیع

مال الربا، فصل فیما یكون فراراً عن الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس کھرے چاندی کے روپے

(Ten Unmixed Silver Coins) ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ کھوٹے

روپوں کے عوض بیچے تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ یہ سود ہے، پھر اگر وہ حیلہ کرنا چاہے تو اسے

چاہیے کہ خریدار سے بارہ کھوٹے روپے بطور قرض لے لے پھر دس کھرے روپے اسے

ادا کر دے پھر وہ خریدار سے باقی دو روپے معاف کر دے تو یہ حیلہ جائز ہے۔

("الفتاویٰ الخانیۃ"، کتاب البیع، باب فی بیع مال الربا، فصل فیما یكون فراراً عن

الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

چھٹا حیلہ یہ بیان فرمایا اگر کسی شخص پر دس کھوٹے روپے ایک معین دن تک

کے لئے قرض تھے جب وہ معین دن آیا تو قرض دار نوکھرے روپے لایا اور کہا کہ ان دس کھوٹے روپوں کے بدلے یہ نوکھرے روپے لے لو، تو یہ صورت جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں سود ہے، تو اگر وہ حیلہ کرنا چاہے تو نوکھوٹے روپوں کے بدلے نوکھرے روپے لے لے اور ایک روپیہ معاف کر دے، اس صورت میں قرض دار کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ قرض خواہ ایک روپیہ معاف نہیں کرے گا تو قرض خواہ کو نوکھرے روپے ادا کرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور چھوٹی سی چیز جس کی کوئی قیمت ہو اس باقی روپے کے عوض دیدے تو اب یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی اور وہ اندیشہ بھی جاتا رہے گا۔

("الفتاویٰ الخانیة"، کتاب البیع، باب فی بیع مال الربا، فصل فیما یکون فراراً عن

الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

اس عبارت کے فوائد تجھ پر پوشیدہ نہیں رہیں گے؛ کیونکہ آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ۔ ہم ان کا تذکرہ کریں گے، اور ہمارے لئے تو یہی دلیل کافی ہے کہ علماء کرام۔ رحمہم اللہ۔ نے وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے، نیز بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے، لہذا اسی طرح یہ صورت بھی مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ "وہ ان کے نزدیک پہاڑ سے زیادہ گراں ہے" تجھے پریشانی میں نہ ڈالے؛

(فتح القدیر، کتاب الصرف، ج ۶، ص ۲۷۱)

کیونکہ انہوں نے اسی طرح کا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت تر قول بیع عینہ کے بارے میں فرمایا ہے، جبکہ وہ بھی صرف مکروہ تنزیہی (Unpleasant) ہے، "رد المحتار" میں "طحطاوی" اور اس میں "عالمگیری" اور اس میں "مختار الفتاویٰ" اور اس میں امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ بیع عینہ جائز ہے اور اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا، جبکہ امام محمد نے فرمایا کہ اس بیع کی برائی میرے نزدیک پہاڑوں کے برابر ہے؛ کیونکہ اسے سود خوروں (Usurers) نے ایجاد کیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ((جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو گے اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آ جائے گا))۔ "فتح القدر" میں فرمایا کہ بیع عینہ میں کوئی کراہت نہیں، مگر یہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے۔

("رد المحتار" ، کتاب البیوع ، باب الصرف ، مطلب فی بیع العینة ، ج ۷ ، ص ۵۷۶)

اسے "بحر الرائق" ، "نہر الفائق" ، "در مختار" اور "شرنبلالیہ" وغیرہا نے اسی طرح برقرار رکھا، نیز "فتح القدر" میں ہے کہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ بیع مکروہ نہیں؛ کیونکہ بہت سے صحابہ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ نے اسے کیا اور اسکی تعریف فرمائی اور اسے سود قرار نہ دیا۔

("فتح القدر" ، کتاب الکفالة ، قبیل فصل فی الضمان ، ج ۶ ، ص ۳۲۴)

میرے خیال میں امام ابو یوسف کا یہ فرمان کہ بہت سے صحابہ - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - نے اسے کیا "اصول فقہ کی اصطلاح (Terminology of Principles of Jurisprudence) میں حدیث مرسل (Transmitted Hadith) ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو، اور اس کی اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معصل رکھنا فقط محدثین کی اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، جبکہ ان تمام صورتوں کا حکم ہمارے نزدیک ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ثقہ راوی کوئی حدیث مرسل لائے تو وہ مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الإبھامین" میں اس کی تحقیق بیان کی ہے، اور "مسلم الثبوت" وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اور تجھے امام ابو یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - سے بڑھ کر کونسا ثقہ درکار ہے.....؟

لہذا جب اکثر صحابہ کرام - رضی اللہ عنہم - سے اُسے کرنا اور اس کی تعریف فرمانا ثابت ہے تو اس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ ہمارے امام اعظم - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - کا مذہب صحابہ کرام - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - کی تقلید ہے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا ہے، جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ:-

((جب تم بطور عینہ خریدو فروخت کرو گے.... الخ))

اسے امام احمد و ابو داؤد و بزاز و ابو یعلیٰ و بیہقی نے نافع سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمر - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - سے روایت کیا۔

("سنن أبي داود"، كتاب الإجارة، باب [في] النهي عن العينة، رقم الحديث: ٣٤٦٢،

ج ٣، ص ٣٧٨- "السنن الكبرى" للبيهقي، كتاب البيوع، باب ما ورد في

كراهية... إلخ، رقم الحديث: ١٠٧٠٣، ج ٥، ص ٥١٧- "المسند" للإمام أحمد بن

حنبل، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم الحديث: ٥٥٦٤، ج ٢، ص ٣٨٤)

امام ابن حجر نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے، اور امام احمد کے یہاں اس کی

ایک سند اور ہے جو کہ اس سند سے بہتر ہے۔

("فيض القدير" شرح "الجامع الصغير"، حرف الهمزة، رقم: ٥١٤، ج ١، ص ٤٠٣)

اور ابوداؤد کی سند میں عبدالرحمن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں۔

ابن ابی حاتم نے کہا: وہ زیادہ مشہور نہیں، اور ابوحاتم نے کہا: کہ ان سے کام نہ رکھا

جائے، اور ذہبی نے کہا وہ "جائز الحدیث" ہیں۔

("میزان الاعتدال"، ترجمة: ٨٨٩، إسحاق بن أسيد، حرف الألف من اسمه إسحاق،

ج ١، ص ٢٠٩- "میزان الاعتدال"، ترجمة: ١٠٨١٢، أبو عبد الرحمن الخراساني،

ج ٤، ص ٥٠٣)

پھر کنتیوں کے بیان میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ

میں شمار کیا۔

("میزان الاعتدال"، ترجمة: ١٠٨١٢، أبو عبد الرحمن الخراساني، ج ٤، ص ٥٠٣)

اور "تقریب" میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے۔

("تقریب التہذیب"، حرف الألف، من اسمہ إسحاق، ترجمة: ۳۷۰، ج ۱، ص ۴۲)

بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نیچے نہیں ہے، اور بے شک امام سیوطی نے

"جامع صغیر" میں اس کے حسن ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، اور یہ حدیث بہت سی سندوں

سے آئی ہے جن کے لئے بیہقی نے اپنی "سنن" میں ایک فصل وضع کی اور ان کی علتیں

(Causes) بیان کیں۔

("فیض القدر" شرح "الجامع الصغیر"، حرف الهمزة، رقم الحدیث: ۵۱۴، ج ۱،

ص ۴۰۳)

میرے خیال میں "فتح القدر" کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام محمد - رحمہ اللہ

تعالیٰ - نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے، تو اس صورت میں تو یہ حدیث ضرور صحیح ہے؛

کیونکہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال (Reasoning) کرے تو وہ استدلال

اس حدیث کی صحت کا حکم ہوتا ہے، جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے "فتح القدر" میں

اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء نے دوسری کتب میں اس قانون کا ذکر فرمایا ہے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، فصل فی ما یدخل فی البیع تبعاً، مطلب: المجتہد إذا

استدلّ بحدیث... إلخ، ج ۷، ص ۸۳)

بہر حال اس حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں، کیا اس کے

ساتھ حدیث کے یہ الفاظ نہیں دیکھتے کہ:-
 ((جب تم بیلوں کی دُم پکڑو))

(سنن أبي داود، کتاب الإجارة، باب [في] النهي عن العينة، رقم الحديث: ۳۴۶۲، ج ۳، ص ۳۷۸)

یعنی کھیتی اور زراعت میں پڑو، جیسا کہ "فتح القدير" میں اس کی یہ تفسیر فرمائی اور فرمایا؛ کیونکہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دیں گے اور ان کی طبیعت نامردی کی عادی ہو جائیگی۔

(فتح القدير، کتاب الکفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج ۶، ص ۳۲۴)

بلکہ یہ روایت "ابوداؤد" میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ:-

((جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو اور کاشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو))

(سنن أبي داود، کتاب الإجارة، باب [في] النهي عن العينة، رقم: ۳۴۶۲، ج ۳، ص ۳۷۸ ملتقطاً)

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کھیتی باڑی کرنا منع نہیں، بلکہ جمہور علماء کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ:-

"جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حرفت افضل ہے"، جیسا کہ

"وجیز کردری" میں ہے، اس لئے جب "عنایہ" میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر

دلیل لائے تو علامہ سعدی افندی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں: اگر یہ دلیل صحیح ہو جائے تو

زراعت بھی مذموم ہو جائے گی۔

("حاشیہ أفندی" هامش "فتح القدير"، كتاب الكفالة، ج 6، ص 324)

اور "ہدایہ" و "تبیین" و "درمختار" وغیرہا میں بیع عینہ کے مکروہ ہونے کی فقط

یہ دلیل مذکور ہے کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے روگردانی ہے، "ہدایہ" میں

اتنا زیادہ فرمایا کہ: "بخل مذموم کی پیروی کر کے نیک سلوک سے روگردانی ہے۔"

("الهدایة" فی شرح "بداية المبتدي"، كتاب الكفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج 3،

ص 94 - "تبیین الحقائق" فی شرح "کنز الدقائق"، كتاب الكفالة، فصل، ج 5،

ص 54 - "الدر المختار" فی شرح "تنویر الأبصار"، كتاب الكفالة، قوله (کفیلہ بیع

العینة) ج 7، ص 655)

اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کرنا کراہت تحریمی کا سبب

نہیں، اسی لئے "فتح القدير" میں فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ ثمن کا ایک حصہ تو

وعدہ کے مقابل ہو گیا اور آدمی پر ہمیشہ قرض دینا واجب نہیں، بلکہ وہ ایک نیک کام ہے۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج 6، ص 324)

اور "عنایہ" میں فرمایا کہ قرض دینے سے روگردانی کرنا مکروہ نہیں، اسی طرح

سے تجارت میں نفع کی طمع بھی مکروہ نہیں، ورنہ نفع پر خرید و فروخت کرنا بھی مکروہ ہوتا۔

("العناية"، كتاب الكفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج 6، ص 323)

میں کہتا ہوں کہ تجارت تو اپنے رب کے فضل کو تلاش کرنے ہی کا نام ہے، اور

خریدتے وقت قیمت میں کمی کرنا سکت ہے۔

نیز بے شک رسول اللہ - صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - نے فرمایا کہ:-

((عین کھانے میں نہ ناموری ہے اور نہ ہی ثواب))

("المعجم الكبير" للطبرانی، مسند حسن بن علی، رقم: ۲۷۳۲، ج ۳، ص ۸۳-

"تاریخ بغداد أو مدينة السلام"، أحمد بن طاهر بن عبد الرحمن... إلخ، رقم: ۲۲۱۷،

ج ۴، ص ۴۳۴)

یہ حدیث اصحاب سُنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی "معجم" میں امام حسن

اور خطیب نے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجوہہم الکرام سے روایت کی، لہذا بیع عینہ زیادہ سے

زیادہ مکروہ تنزیہی ہو سکتی ہے، اور اس میں انتہائی درجہ صرف کراہت تنزیہی ہے ورنہ صحیح

حدیث سے تو یہی بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - نے بیع عینہ کی، اور

اس بیع کی تعریف بھی فرمائی۔

اور علامہ عبد الحلیم نے جو کہ علامہ شرنبلالی - رحمہما اللہ تعالیٰ - کے ہم عصر

ہیں، انہوں نے حاشیہ "درر" میں لکھا کہ امام ابو یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - کی روایت کچھ اس

طرح سے ہے کہ "بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے؛ کیونکہ اس میں حرام سے بھاگنا

ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور بکثرت صحابہ کرام - رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین۔ نے اسے کیا اور اس کی تعریف بھی فرمائی۔"

(حاشیۃ الدرر " لعبد الحلیم)

ان کی عبارت کے طرزِ کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ "حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے" یہ جملہ بھی امام ابو یوسف - رحمہ اللہ تعالیٰ - ہی کا کلام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی پھلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل

جمہور علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جب قدر یا جنس میں سے کوئی ایک چیز نہ پائی جائے تو زیادتی حلال ہوتی ہے، اور یہ بات یقیناً ظاہر ہے کہ اشرفی اور چاندی کا روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں لہذا اس صورت میں زیادتی کا حلال ہونا بالکل جائز ہے، کراہت تحریمی کدھر سے آئے گی.....؟

مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں

اور جنس مختلف ہوتو چاروں جائز ہیں

تحقیق کے مطابق زیادتی کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) جس چیز کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار بھی زیادہ ہو۔

(۲) اس چیز کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو بلکہ کئی گنا زیادہ ہو، جیسے اشرفی کی مالیت روپے کے مقابلے میں۔

(۳) اس چیز کی مقدار اتنی کم ہو کہ اُس کی مالیت بھی اُس کے مقابل چیز سے کم

ہو جائے۔

(۴) اس کی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں۔

تو تمام علماء نے فقط جنس مختلف ہونے کی صورت میں کمی بیشی کے جائز ہونے

کی تصریح فرمائی ہے اور اس جواز کو کسی خاص صورت کے ساتھ مقید (Limited) نہیں

فرمایا، چنانچہ یہ جواز چاروں صورتوں کو شامل ہوگا، اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو

چاروں صورتوں میں صرف ایک یعنی چوتھی صورت حلال ہوتی، پھر یہاں ایک صورت

اور بھی ہے وہ یہ کہ دو جنسیں جب مقدار میں برابر ہوں اور ان کی مالیت بھی برابر ہو تو بھی

علماء نے کمی بیشی کے حلال ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور وہ اس صورت میں مالیت کی

کمی بیشی کو لازم کرتا ہے، لہذا اس بیع عینہ کا حلال ہونا واجب ہوا۔

تیسری دلیل

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

((جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو خریدو فروخت کرو))

("نصب الراية" لأحاديث "الهداية"، كتاب البيوع، ج ۴، ص ۷)

تو کون ہے جو اس صورت کو گناہ اور مکروہ تحریمی (Abominable) قرار دے گا.....؟

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اجازت عطا فرما چکے۔

چوتھی دلیل

وہ عبارت ہے جو ہم "فتاویٰ قاضی خان" کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ روپے کے عوض ایک پیسہ دیدے تو یہ جائز ہے اور اس سے امان حاصل ہو جائے گی تو گناہ کے بعد کونسی امان ہے؟

پانچویں دلیل

مثلاً اشرفی اور چاندی کے روپے یا پیسے اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی تو اگر اس سے کراہت تحریمی لازم ہوتی اس بنا پر کہ دونوں عاقدین میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا بھی مکروہ تحریمی (Disagreeable) ہو، جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں، جیسے کھرے کی مالیت کھوٹے سے دوگنی باکئی گنا زیادہ ہو؛ کیونکہ کراہت تحریمی کا وہ سبب یہاں بھی یقیناً پایا جا رہا ہے اور کسی شے کا حکم اپنے سبب سے جدا نہیں ہوتا؛ کیونکہ شرع مطہر نے کھوٹے اور کھرے کے وزن میں برابری کا حکم دیا ہے، اسی طرح سے وہ چیز جو صنعت کاری (Desining) کے سبب مالیت میں بڑھ جائے یہاں تک کہ اس کے ہم وزن پتر یا روپوں سے کئی گنا زیادہ ہو جائے تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریمی کا سبب ہوگا جو تم نے قرار دی ہے، حالانکہ وزن میں برابر ہونا شرعاً واجب ہے،

لہذا اس صورت میں یہ بات سامنے آئے گی کہ شرع نے گناہ کو واجب کیا حالانکہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا "بحر الرائق" و "در مختار" وغیرہما کی تصریح کے مطابق اگرچہ "گناہ صغیرہ" ہے مگر اس کی عادت ڈالنے سے "گناہ کبیرہ" ہو جاتا ہے، اور بے شک شرع گناہ کا حکم دینے اور گناہ کے ارتکاب کو واجب قرار دینے سے بلند و بالا ہے، بخلاف مکروہ تنزیہی کے؛ کیونکہ وہ مباح ہوتا ہے اور قطعاً گناہ نہیں، بلکہ بعض اوقات انبیاء کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - قصد اس کے جواز کو ظاہر کرنے کے لئے اسے کرتے بھی ہیں، اور انہی علامہ لکھنوی کا قدم "حقہ" کے بارے میں لکھے گئے رسالہ میں پھسلا تو انہوں نے مکروہ تنزیہی کو "گناہ صغیرہ" اور اس پر اصرار کو "گناہ کبیرہ" ٹھہرا دیا، اور یہ بالکل واضح غلطی ہے، اور اس کا عیب میں نے اپنے ایک مستقل رسالہ "جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہاً لیس بمعصیۃ" میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

اور یہ عذر پیش کرنا کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں شرع نے مالیت کے اعتبار کو ساقط کر دیا ہے انہیں کچھ نفع نہ دے گا؛ کیونکہ یہی تو اصل بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی گناہ کا باعث تھی تو اس کا اعتبار کیوں ساقط فرما دیا، حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کو باطل کرنا لازم آتا ہے؟ اور مقصود کیا ہے.....؟! یہی ناکہ لوگوں کا مال بچایا جائے، اور مال کا دار و مدار مالیت ہی پر ہوتا ہے، لہذا مالیت کا اعتبار ساقط کرنے سے سود خوروں کو ان کے مقصود فاسد تک پہنچانا لازم آئے گا؛ کیونکہ ان کی غرض تو صرف

مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہیں زیادہ مالیت حاصل ہوگئی تو وہ اپنی مراد کو پہنچے، اور وزن کی کمی بیشی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، لہذا ظاہر ہو گیا کہ شرع مالیت میں زیادتی کی طرف اصلاً نظر نہیں فرماتی تو یہ ممکن ہی نہیں کہ شرع مالیت کی زیادتی کو مکروہ تحریمی قرار دے اور یہی تو ہمارا مقصود ہے۔

چھٹی دلیل

تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے، نیز "بحر الرائق" میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض، بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے، یہاں تک کہ اگر ایک پیسے سو معین پیسوں کے عوض بھی بیچا جائے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ کے نزدیک حلال ہے۔ ("البحر الرائق"، کتاب البیوع، باب الربا، قولہ (والفلس بالفلسین بأعیانہما) ج ۶، ص ۲۱۹)۔

اور تمہیں مالیت میں کمی بیشی کے جائز ہونے پر اس سے بڑی اور کونسی دلیل درکار ہے۔ والحمد للہ۔ اور ہاں.....! علماء کرام۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ نے تصریح فرمائی ہے کہ کبھی حلال اور مکروہ تنزیہی دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

ساتویں دلیل

مذکورہ بیع عینہ کہ جس کی بنیاد ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے اس میں یہ قید نہیں کہ دس روپوں کے عوض بارہ یا تیرہ روپے وصول کریں، جیسا کہ "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے، یا پندرہ روپے، جیسا کہ "فتح القدر" میں ہے، بلکہ اس بیع میں دو چار گنا چیز وصول کرنے کی صورت بھی بیان کی گئی ہے "فتح القدر" میں ہے کہ بیع عینہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص، مثلاً زید اپنا متاع قرض خواہ بکر کے ہاتھ ایک مدت معینہ تک کے لئے دو ہزار کے عوض بیچے، پھر کسی درمیانی شخص مثلاً عمر کو قرض خواہ بکر کی طرف بھیجے اور وہ اس قرض خواہ سے اپنے لئے اس متاع کو ایک ہزار روپے نقد کے عوض خرید کر قبضہ کر لے اور یہ درمیانی شخص یعنی عمر پہلے شخص زید کو یہ متاع ایک ہزار کے عوض بیچ دے پھر یہ عمر اپنے بائع (قرض خواہ) بکر کا ثمن جو کہ ہزار روپے نقد ہیں (پہلے بائع) زید کے ذمہ پر ڈال دے تو یہ زید (پہلا بائع) ہزار روپے عمر کی طرف سے بکر (قرض خواہ) کو دیدے، اور مدت معینہ پوری ہونے پر دو ہزار اس سے وصول کرے۔

("فتح القدر" فی شرح "الہدایۃ"، کتاب الکفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج ۶،

ص ۳۲۴)

تو جب دگنا منافع جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے۔ میرے خیال میں اس

درمیانی شخص کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرض خواہ کو ہزار روپے والی چیز

دو ہزار کے عوض بیچے اور قرض خواہ اسے بازار میں ہزار روپے میں بیچ دے، تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف نہ لوٹے؛ کیونکہ بذات خود وہی متاع لوٹنے کی صورت صاحب "فتح القدر" کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کیونکہ اپنی بیچی ہوئی چیز کو قیمت فروخت سے کم میں خریدنا بالاجماع جائز ہے، جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے، اور علماء نے اپنی بیچی ہوئی چیز کو قیمت فروخت سے کم میں خریدنے کی صورت کو گناہ قرار نہیں دیا، امام فقیہ النفس قاضی خان کے حوالے سے یہ بات اوپر گزر چکی ہے، جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے ہیں اور اگر گناہ باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہوا۔ تحقیق علامہ عبدالحلیم نے "درر" کے حواشی میں حرام سے بچنے کے حیلوں میں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں کراہت تنزیہی ہے، چاہے دیا گیا متاع بعینہ دینے والے کی طرف لوٹے، یا اس کا کچھ حصہ لوٹے، یا بالکل نہ لوٹے۔

("حاشیة الدرر" لعبد الحلیم)

آٹھویں دلیل

وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء کرام نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کو نفع ہو، اور اس نفع کی مقدار غیر منقولہ جائیداد میں دو گنا اور منقولہ میں ڈیڑھ گنا مقرر فرمائی ہے، جیسا کہ

"فتاویٰ قاضی خان" اور "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے۔

("الفتاویٰ الہندیہ"، کتاب البیوع، الباب السابع عشر فی بیع الأب والوصی... إلخ،

ج ۳، ص ۱۷۵، ۱۷۶ ملخصاً۔ "الفتاویٰ الخانیة"، کتاب البیوع، فصل فی بیع الوصی

وشرائه، ج ۲، ص ۴۱۳، ملخصاً)

اور اگر وصی یتیم کا مال کسی دوسرے کو بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی

ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی ایسا دین (قرض) ہو کہ اسے بیچے بغیر ادا نہ کیا جاسکے

گا، تو اس صورت میں اس بیع کے جائز ہونے کے لیے علماء کرام نے یتیم کے مال کو دگنی

قیمت پر بیچنا شرط قرار دیا ہے۔ "ہندیہ" میں "محیط سرحسی" کے حوالے سے نقل ہے کہ

اسی پر فتویٰ ہے۔

("الفتاویٰ الہندیہ"، کتاب البیوع، الباب السابع عشر فی بیع الأب والوصی، ج ۳،

ص ۱۷۶) لہذا مالیت کی اس کمی بیشی کا حکم خود شرع مطہر کی طرف سے ہے۔

نویں دلیل

وہ قول ہے جو "فتح القدیر" وغیرہ قابل اعتماد کتب کے حوالے سے گزرا کہ

"اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار روپے کے عوض بیچے تو یہ خرید و فروخت جائز ہے، اور بالکل

مکروہ نہیں ہے۔"

("فتح القدیر"، کتاب الکفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج ۶، ص ۳۲۴)

دسویں دلیل

"ردالمحتار" کے باب الربا میں "ذخیرہ" کے حوالے سے ہے کہ "اگر کوئی نانابائی کو گیہوں اکٹھے دیدے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کر کے لینا چاہے تو مناسب یہ ہے کہ گیہوں والا نانابائی کے ہاتھ انگوٹھی یا چاقو ہزار من گیہوں کی روٹی کے عوض بیچے " اور چاقویا انگوٹھی نانابائی کے حوالے بھی کر دے تو اب نانابائی پر ہزار من گیہوں کی روٹی ذمہ پر لازم ہوگئی اور نانابائی انگوٹھی کو ہزار من گیہوں کے بدلے گیہوں والے کے ہاتھ بیچ دے۔

("رد المحتار" ، کتاب البیوع ، باب الربا ، ج ۷ ، ص ۴۳۸)

بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من گیہوں کی روٹی.....! اور اس طرح کے بے شمار نظائر ہم بیان کرنا شروع کر دیں تو احاطہ نہ کر سکیں گے، اور یہ جو ہم چھٹی دلیل سے دسویں دلیل تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء کرام نے فرمایا تھا کہ " جس جانب وزن کی کمی ہے اس میں کوئی اور چیز ملادی جائے " تو یہ بات ان کے کلام میں مطلق ہے، خواہ وہ چیز ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں، خلاصہ یہ کہ بیع اور ثمن میں مالیت کی زیادہ سے زیادہ کمی بیشی جائز ہے تو یہ اس مسئلہ کے تحقیق کی انتہاء ہے۔ جہاں تک فاضل عبدالحلیم کے کلام کا تعلق ہے تو میں اس کا پہلا جواب یہ دوں گا۔

پہلا جواب

حصول احتیاط کے لئے کسی چیز کا وجوب فی نفسہ اس کا وجوب نہیں، اور بے شک

فساد (Incorrectness) کے خوف سے ایسی چیز کو چھوڑنا جس میں خرابی نہ ہو احتیاط ہی ہے اور یہ اسی طرح حاصل ہوگی جیسے انہوں نے فرمایا، لہذا یہ وجوب احتیاط کے واجبات سے ہوا؛ کیونکہ کسی شے کے لیے واجب وہی ہوتا ہے جس کے بغیر وہ شے حاصل نہ ہو سکے۔

دوسرا جواب

اکثر عرف میں مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں، اور "در مختار" کا یہ قول کہ "نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں" بھی اسی قبیل سے ہے؛ کیونکہ یہ طریقہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آ رہا ہے، لہذا ان کی پیروی واجب ہوئی۔

("الدر المختار" فی شرح "تنویر الأبصار"، کتاب الصلاة، باب العیدین، ج ۳، ص ۷۵)

اور علامہ شامی نے دوسری جگہ اسکی یہ نظیر بیان فرمائی کہ عرف میں یہ کہتے ہیں کہ "تیرا حق مجھ پر واجب ہے" نیز "فتح القدر" کی کتاب "ادب القاضی" میں "ہدایہ" کے اس قول: "قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کی عیادت کو جائے" کے نیچے امام بخاری کی کتاب "ادب المفرد" کی یہ حدیث حضرت ابو ایوب انصاری - رضی اللہ تعالیٰ عنہ - سے ذکر فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ((بے شک مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز چھوڑے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑے گا جو اس کے لیے اس پر واجب تھا (۱) وقت

ملاقات اسے سلام کرے (۲) وہ دعوت کرے تو یہ اسے قبول کرے یا وہ اسے پکارے تو اس کا جواب دے (۳) جب اسے چھینک آئے اور وہ "الحمد لله" کہے تو یہ اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہے (۴) بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جائے (۵) اس کی موت پر حاضر ہو (۶) اگر وہ اس سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کرے ((پھر محقق صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو وجوب کے فقہی معنی سے عام ہو؛ کیونکہ حدیث کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ ملاقات کی ابتداء میں سلام کرنا واجب ہو، اور نماز جنازہ فرض عین ہو، مگر حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں، خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی۔

("فتح القدیر"، کتاب أدب القاضي، قبیل فصل فی الحبس، ج ۶، ص ۳۷۳۔ "المعجم

الکبیر" للطبرانی، مسند أبي أيوب الأنصاري، رقم الحديث: ۴۰۷۶، ج ۴، ص ۱۸۰)

نیز علامہ عبد الحلیم کی عبارت میں وجوب کے یہ معنی (مستحب ہونا) لینا

ہمارے قائم کردہ دلائل کے سبب ضروری ہیں اور اگر آپ اسے ظاہر پر ہی محمول مانیں تو

سن لیں کہ یہ علامہ عبد الحلیم رحمہ اللہ کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند

(Referenced Evidence) پیش نہیں کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں،

خصوصاً جبکہ ان کے موقف کے خلاف دلائل قائم ہو چکے ہوں۔

تیسرا جواب

اگر ان کی عبارت کو اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو انکا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے اس کلام کے ایک ورق بعد سلطنت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ پرانے چاندی کے روپے جن میں کھوٹ ہو اور چاندی غالب ہو، انہیں نئے کھرے روپوں سے بدلتے ہیں، اور ان نئے روپوں کے چلنے کے بعد پرانے روپوں سے لین دین کرنا منع کر دیا جاتا ہے، اور ان پرانے روپوں کا کھوٹا پن اس قدر ہے کہ ایک بڑا رومی روپیہ جسے "قرش" کہتے ہیں، ان پرانے کے ایک سو بیس روپوں کے برابر ہوتا ہے، اور ایک اشرفی دو سو چالیس روپوں کے برابر ہوتی ہے، جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو "قرش" کی قیمت ان نئے روپوں سے اسی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپوں کے زمانے میں ہوا تھا اُس میں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ تو علماء محروسہ "قسنطنیہ" رحمہم اللہ میں سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ فتویٰ دیا کہ تہائی دین اُتار دیں (یعنی ایک تہائی دین منہا کر کے باقی دین ادا کریں) تو ایک سو بیس پرانے روپوں کے قرض کی جگہ مدیون قرض خواہ کو نئے اسی روپے یا ایک "قرش" دیدے اور دو سو چالیس پرانے روپوں کے عوض ایک اشرفی یا دو "قرش" ادا کر دے، لہذا اسی فتویٰ پر عمل ہوتا رہا۔

یہاں تک کہ ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے فتویٰ دینے کا وقت

آیا تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ زمانہ عقد (Contract Time) میں پرانے روپوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں، مثلاً ہر دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دی جائے اور نیا روپیہ یا "قرش" دینا جائز قرار نہ دیا، اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے یا اس کا شبہ ہے۔ ("حاشیۃ الدرر" لعبد الحلیم)

پھر علامہ عبد الحلیم نے کہا کہ علماء کرام - رحمہم اللہ - نے پہلے جو فتویٰ دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس میں زیادہ آسانی بھی ہے اور ادائے دین کے دائرے میں وسعت (Capacity) بھی، اور اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پرانے روپوں کا چلن کسی فرق (Difference) کے بغیر بالکل اشرفی اور قرش کی طرح تھا، لہذا ثابت ہوا کہ مدیون پر دین بھی اسی تفصیل سے ٹھہرے گا، اور دین کا حاصل یہ ہوگا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے، خواہ کسی بھی نوع سے ہو، پرانے روپے ہوں یا اشرفی یا پھر قرش، جیسا کہ علماء کرام - رحمہم اللہ - نے مختلف سکوں کے چلن میں برابر ہونے کی صورت میں اس حکم کی تصریح فرمائی ہے کہ جب پرانے روپوں کا چلن بند کر دیا گیا اور نئے روپے چلنے لگے اور قرش و اشرفی کی مالیت کم ہوگئی جیسا کہ اوپر بیان ہوئی، تو دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا، اور اس فتویٰ میں ادائے قرض کے دائرے میں وسعت اور پوری آسانی ہے؛ کیونکہ قرض دار جس نوع (Species) سے ادائیگی قرض پر قدرت رکھے گا اسی سے قرض ادا کر دے گا، بخلاف دوسرے فتویٰ کے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قرض دار کے پاس اشرفی

(Gold Coin) نہ ہو، اور نہ اُسے ملتی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرض اشرفی کی مالیت سے کم ہو، لہذا ادائیگی قرض میں دشواری ہوگی، حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپے کے علاوہ بدستور رائج ہیں نہ ان کا چلن گھٹا اور نہ ہی بند ہوا، مگر یہ ضرور ہوا کہ نئے روپوں کے سبب ان کی مالیت کم ہوگئی، لہذا مدیون (قرضدار) کو کیونکر مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے.....؟ لہذا ظاہر ہوا کہ پہلا فتویٰ صحیح اور آسان ہے اور اس میں کوئی دشواری نہیں۔ ہاں.....! اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے قرض ادا کرنیکی صورت میں حقیقتہً یا حکماً سود ہے؛ کیونکہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں۔ تو اس مفروضے کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیا جائے تو اب اس قرض کی ادائیگی کا جواز کسی پر پوشیدہ نہیں۔

("حاشیۃ الدرر" لعبد الحلیم)

اور یہ مسئلہ "درمختار" وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب "درمختار" نے سعدی افندی ہی کے فتویٰ کو اختیار فرمایا کہ قرض دار کو اشرفی ہی سے قرض ادا کرنا واجب ہے، اور علامہ شامی علامہ عبد الحلیم کی رائے کی طرف مائل ہوئے، اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرض دار کے ذمے خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے، تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے کی صورت میں سود (Usury) ٹھہرے جبکہ وہ پرانے روپوں سے وزن میں برابر نہ ہوں، بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تین

قسم کے سکوں میں سے جس سے چاہے کر لے، لہذا جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو باقی دو میں سے جس سے چاہے ادا کر دے۔

میں کہتا ہوں کہ یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ ان کا یہ فرمان کہ "تہائی دین اُتار دیا جائے" (یعنی تہائی دین باقی ہی نہ رہے) لغزش ہے، اور انہوں نے روپوں کی گنتی میں ہونے والے ظاہری تغیر پر نظر فرما کر یہ کہہ دیا کہ: "ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی روپے ادا کرے گا" ورنہ مالیت میں تو اصلاً تغیر نہیں ہوا تھا، دوسرا یہ کہ اگر قرضدار کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لئے جائیں تو سو اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ قرض دار نئے روپوں یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیدے، نیز فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو یہی فتویٰ دیا اور اسے پوری آسانی بلا دشواری بتایا، اور کراہت تحریمی کے بعد کونسی آسانی ہے.....!

لہذا جو معنی ہم نے بیان کئے ان کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور بے شک توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بالجملہ یہ شبہات قابل ذکر تو نہ تھے مگر چونکہ ان کے جوابات سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے اس لئے ذکر کر دیئے۔

میں کہتا ہوں الحمد للہ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ دس کانوٹ بارہ روپے کے عوض بیچنا تو درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسے کے عوض بیچنے میں سود تو سود اس کا شبہ بھی نہیں، بخلاف لکھنؤی صاحب کے گمان کے؛ کیونکہ حرام چیزوں میں شبہ بھی

یقین کے حکم میں ہوتا ہے، جیسا کہ "ہدایہ" وغیرہ میں منصوص ہے، لہذا اگر یہاں شبہ ہوتا تو حرمت واجب ہو جاتی، چہ جائیکہ کراہت تحریمی، نیز ہم اس بات پر دلائل قائم کر چکے ہیں کہ یہاں حرمت تو دور کی بات ہے کراہت تحریمی بھی نہیں ہے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے اور نہ ہی سود کا شبہ۔

لیجئے اور سنئے.....! منع کرنے والے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ

نوٹ (۱) چاندی کے روپوں میں غرق (Drowned) ہونے کی وجہ سے گویا روپیہ ہی ہے اور اس میں اور چاندی کے روپے میں کچھ فرق نہیں، اسی لئے لوگ چاندی کے روپے اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے، تو دس کے نوٹ کو بارہ روپے کے عوض بیچنے سے گویا یوں ہوا کہ دس روپے بارہ روپوں کے عوض بیچے گئے، اور یہ بے شک سود ہے، لہذا اگر دس کا نوٹ بارہ کے عوض بیچنا سود نہ بھی ہو تو سود کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔

..... بلکہ مولانا لکھنوی صاحب کا یہ گمان ہے کہ جب سو روپے کا نوٹ بیچا جاتا ہے تو اس بیع سے اس کاغذ کی قیمت لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود سو روپیہ بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا ہوتا ہے۔

مولانا لکھنوی صاحب پر آٹھواں رد: اولاً اگر معاملہ لکھنوی صاحب کے گمان کے مطابق ہوتا تو چاندی کے روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بالکل جائز نہ ہوتا؛ کیونکہ اب یہ معاملہ انگریزی سو روپے کو انگریزی سو روپوں کے عوض بیچنے کی طرح ہو گیا، حالانکہ انگریزی روپوں میں باہم کوئی فرق نہیں ہوتا، لہذا یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا بالکل بے فائدہ ہے، حالانکہ شرع بے فائدہ چیزوں کو مشروع نہیں فرماتی۔ "اشباہ" میں ہے: "عقد اس وقت صحیح ہوتا ہے جب اس سے کوئی =

= فائدہ بھی حاصل ہو، جس عقد سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو وہ صحیح نہیں ہوتا، لہذا جب دونوں روپے وزن اور مالیت میں برابر ہوں تو اس صورت میں ایک روپے کو ایک روپے کے بدلے بیچنا ناجائز ہے، جیسا کہ "ذخیرہ" میں ہے۔"

(الأشباہ والنظائر، الفن الثانی، کتاب البیوع، ص ۱۷۵)

مولانا لکھنوی صاحب پر نواں رد: ثانیاً مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار تشریف لے جائے اور دیکھئے کہ اگر زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کہ کیا تو نے عمرو سے یہ کہا تھا کہ میں نے تجھے چاندی سو روپے بیچے؟ وہ فوراً کہے گا کہ نہیں، بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ یہ نوٹ تجھے بیچا، پھر اس سے پوچھئے کہ کیا تو نے لین دین کرتے وقت اپنے سو روپے کو عمرو کے سو روپوں سے بدلنے (Change) کا قصد کیا تھا؟ وہ فوراً کہے گا کہ نہیں، بلکہ میں نے اپنے نوٹ کو اس کے روپوں سے چینج کرنے کا قصد کیا تھا۔ پھر اس سے پوچھئے کہ کیا تم نے عمرو سے اپنے روپوں کی قیمت وصول کی ہے؟ وہ ابھی جواب دیگا کہ نہیں، بلکہ اپنے نوٹ کی، اب پھر اس سے پوچھئے کیا تم اپنی پوٹلی سے اُسے سو روپے دو گے؟ تو وہ یہی کہے گا کہ نہیں، بلکہ اُسے اپنا نوٹ دوں گا، اس وقت آپ کو دن اور رات کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

مولانا صاحب پر دسواں رد: ثالثاً کاش! آپ کو بیع اور معدوم میں فرق معلوم ہوتا؛ کیونکہ اکثر نوٹ بیچنے والے کے پاس چاندی کے روپے موجود نہیں ہوتے بلکہ چاندی کا ایک روپیہ بھی نہیں ہوتا، لہذا اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو یہ نوٹ بیچتے وقت گویا معدوم کی بیع کر رہا ہے، حالانکہ معدوم کی بیع باطل (Null) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا ہے۔

مولانا صاحب پر گیارواں رد: رابعاً جسے منی آرڈر کے لئے نوٹ درکار ہو؛ کیونکہ منی آرڈر کے ذریعے نوٹ بھیجنا چاندی کے روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے اور سستا بھی، جب زید اس کے ہاتھ نوٹ بیچے اور پھر اگر زید نوٹ کے بجائے چاندی کے سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے، مجھے کیا ضرورت ہے کہ تجھ سے چاندی کے روپے خریدوں۔ اس وقت آپ پر آشکار ہوگا کہ نوٹ بیچنے =

پیش کش: مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

= میں اُن کا یہ قصد قرار دینا کہ وہ گویا روپے ہی بیچتے ہیں اُن پر افتراء ہے۔

مولوی صاحب پر بارہواں روڈ: خامسا نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی دے تو یہ اُن کے نزدیک بیع کا نسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اُس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن و ظاہر ہیں جو دائیں اور بائیں میں فرق کر سکتا ہو تو سبحان اللہ.....! وہ سو روپے جو بیچے عجب بیع ہیں کہ نہ تو اُن پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا، نہ ان کے لین دین کا قصد کیا گیا، اور نہ بائع نے وہ دیے، بلکہ بائع روپے دے تو خریدار نہ لے گا اور بیع کی ادائیگی نہیں ہوگی، بلکہ اکثر چاندی کے روپے بائع کے پاس ہوتے ہی نہیں تو کیا تم نے دنیا میں کسی ایسے بیع کے بارے میں سنا ہے جو پک تو گئی ہو مگر اس پر نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ عقل و فہم کی کمی عجیب و غریب چیزیں لاتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے معافی و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

مولوی صاحب پر تیرہواں روڈ: یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی صاحب نے پیسوں اور نوٹ میں جو یہ فرق نکالنا چاہا کہ "اگر وہ چاندی کے ایک روپے کے عوض کوئی چیز خریدے یا کسی سے ایک روپیہ قرض لے اور ادا کرتے وقت ایک روپے کے عوض سو پیسے دیدے تو قرض خواہ اور بائع کو روپے کے عوض پیسے لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے اور حاکم کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے، اگر وہ روپے کے عوض نوٹ دینا چاہے تو بائع کو کوئی اختیار نہیں" یہ فرق بالکل باطل ہے۔ نیز انہوں نے یہ دعویٰ کہاں سے کیا اور اس کا قائل کون ہے عنقریب چند سطر بعد اس باب میں جو حق ہے اس کا بیان آئے گا اور بے شک اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ یہ شبہ تو اور بھی بھونڈا ہے.....! مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں؛ کیونکہ کمان ہی انجان کے ہاتھ میں ہے، ہر وہ شخص جو بچپن کی دہلیز پار کر چکا ہو، جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمن کی مالیت کی مقدار کا اندازہ ثمن خلقی (Real Money) ہی سے کیا جاتا ہے، بلکہ ہر قسم کی نقدی کے لئے چاندی کے روپوں ہی سے اندازہ کیا جاتا ہے، خواہ وہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں روپوں سے کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہوگی، تو ایک ساوَرِن (Sovereign) یعنی انگلستانی سکّہ (پونڈ)، پندرہ روپے کی، اور دو آنے روپے کا آٹھواں حصہ، اور چوٹی روپے کا چوتھائی، اور اٹھنی روپے کا آدھا، نیز ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے ہیں اور فلاں نوٹ دس روپے کا، تو فلاں سو روپے کا، اسی پر قیاس (Analogy) کرتے جائیں، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں اُن کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے، لہذا جو کوئی کپڑا ایک انگریزی پونڈ کے بدلے خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیلی کہے گا، اور نہ ہی قرارداد کا پھیرنا، نہ اس سے بائع انکار کرے گا، اور نہ ہی کوئی اور، اسی طرح سے دو آنے اور آٹھ انگریزی پیسے، ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا یو ہیں ایک چوٹی اور سولہ پیسے، اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کی خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو چونیاں یا چار دو انیاں یا ایک چونی اور دو دو انیاں یا ایک چونی اور ایک دو آنی اور آٹھ پیسے یا تین دو انیاں اور آٹھ پیسے یا ایک چونی

اور سولہ پیسے یا ایک دوآنی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس پیسے، یہ نو کی نو صورتیں (۱) سب ان کے نزدیک برابر ہیں۔

اور مالیت اور چلن کے یکساں ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، اور یہ صرف عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت سے چاہے ثمن ادا کرے، اور اگر بائع ان میں سے کسی ایک صورت پر راضی نہ ہو اور دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی بے جا ہٹ دھرمی ہوگی، جو ناقابل تسلیم ہے "تنویر الأبصار" کے اس قول: "مطلق ثمن سے شہر میں سب سے زیادہ چلنے والا سکہ مراد ہوتا ہے اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا"

("تنویر الأبصار" مع "الدر المختار"، کتاب البیوع، ج ۷، ص ۵۶، ۵۷)

اس کے تحت علامہ شامی نے فرمایا: "لیکن اگر چلن برابر نہ ہو مالیت چاہے مختلف ہو یا نہیں تو عقد (Contract) صحیح ہے، اور جس کا چلن زیادہ ہے وہی مراد ٹھہرے گا، اسی طرح اگر مالیت اور چلن دونوں برابر ہوں تو پھر بھی عقد صحیح ہے، مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں قسم کے ثمن (Currency) میں سے جس سے چاہے ادا

..... ایک ہی ریزگاری چلی ہے جسے کئی کہتے ہیں، لہذا اٹھنی کے دام چھتیس طریقوں سے ادا ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

کرے۔" نیز "ہدایہ" میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلثی سے دی اور "ہدایہ" کے شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے۔

تو "بحر الرائق" میں اس کا جواب دیا گیا کہ ثنائی سے مراد وہ ہے جس کے دو سکے ایک روپے کے برابر ہوں اور ثلثی سے مراد جس کے تین سکے ایک روپے کے برابر ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کے

بدلے خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا ادا کرے، چاہے دو اٹھنیاں، چاہے تین تہائیاں

جبکہ سب مالیت اور چلن میں برابر ہوں۔ اسی طرح ہمارے زمانے میں اشرفی کی مالیت

کاشمیں تین طرح سے ادا کیا جاسکتا ہے: (۱) پوری اشرفی۔ (۲) دو نصف اشرفیاں۔

(۳) اشرفی کی چار پاؤلیاں یعنی چار چوتھائیاں۔ نیز ان سب کی مالیت اور چلن بھی

برابر ہے۔ اس تقریر سے ہمارے زمانے میں قرش کے عوض خرید و فروخت کے رواج کا

حکم واضح ہو گیا؛ کیونکہ قرش اصل میں چاندی کا ایک سکہ ہے جس کی قیمت چالیس

مصری قطعے ہوتی ہے، اسے مصر میں نصف کہتے ہیں، وہاں ہر قسم کے سکوں کی قیمت

قرشوں ہی سے لگائی جاتی ہے، لہذا کوئی سکہ دس قرش کا، کوئی کم اور کوئی اس سے زیادہ کا

ہوتا ہے، لہذا جب کوئی چیز سو قرش کے عوض خریدی جائے تو مشتری کو اختیار ہے کہ وہ جو

سکہ چاہے دے، خواہ قرش ہی دے یا دوسرے سکے جن کی مالیت سو قرشوں کے برابر ہو

ادا کر دے، جیسے ریال یا اشرفی وغیرہما، اور کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ بیع خاص ان سکوں پر

واقع ہوئی جنہیں قرش کہتے ہیں، بلکہ قرش یا دوسرے سکتے جو مالیت میں مختلف ہوں اور چلن میں برابر ہوں ان میں سے اتنے سکتے ادا کر دیئے جائیں کہ سو قرشوں کی مالیت کے برابر ہو جائے کافی ہے، نیز یہاں یہ اعتراض ہرگز وارد نہیں ہوگا کہ مالیت میں اختلاف اور چلن میں برابری ہی تو فسادِ عقد کا سبب ہے؛ کیونکہ یہاں قرشوں سے اندازہ کرنے کی صورت میں ثمن کی مالیت میں اختلاف واقع نہ ہوا ہاں البتہ.....! اگر قرشوں سے اندازہ نہ کرتے تو اختلاف واقع ہوتا ہے، جیسے کہ اگر کسی جگہ کئی قسم کی اشرفیاں ہوں جو چلن میں یکساں اور مالیت میں مختلف ہوں اور کوئی شخص سوا اشرفیوں کے عوض خرید و فروخت کرے تو اس صورت میں مالیت میں اختلاف واقع ہو سکتا ہے، مگر جب قرشوں سے مالیت کا اندازہ کر لیا تو گویا مالیت اور چلن سب یکساں ہو گئے، اور اوپر گزر چکا ہے کہ مشتری کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس کے ذریعے چاہے ثمن ادا کرے۔ "بحر الرائق" میں فرمایا کہ اگر بائع ان میں سے کوئی خاص قسم کا سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسری قسم کا سکہ ادا کرے؛ کیونکہ مالیت میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کے ادا کردہ سکتے کو لینے سے انکار بائع کی بے جا ہٹ دھرمی ہے۔

(رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب: يعتبر الثمن في مكان العقد وزمنه، ج ۷،

ص ۵۷، ۵۸، ملتقطاً)

اور یہ سب ظاہر اور روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر برابری اور عدم فرق کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے.....! کہ خریداری تو قرشوں سے کی جائے اور پھر خریدار کو اختیار دیا جائے کہ چاہے تو ادائیگی قرشوں سے کرے یا ریال سے، خواہ پوری اشرفی ادا کرے یا اس کی ریزگاری، اور اگر بائع نہ مانے تو یہ اس کی بے جا ہٹ ٹھہرے، اس کے باوجود کوئی عقلمند یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش، ریال، اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ہم جنس ہیں اور ان کی آپس میں بیع کی صورت میں کمی بیشی ناجائز ہو، یا ان میں سے ہر ایک سکہ دوسرے میں اس طرح غرق ہے کہ بعینہ دونوں ایک ہی ہیں، لہذا اگر کمی بیشی سود نہ بھی ہو تو سود سے مشابہت کے سبب سود کے حکم میں ہو کر حرام ہو جائے گی، حالانکہ تمام علماء کرام نے بالا جماع تصریح فرمائی ہے کہ جنس کے مختلف ہونے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے، بلکہ خود سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے:-

((کہ جب جنسیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو))۔

("نصب الراية" لأحادیث "الهدایة"، کتاب البیوع، ج ۴، ص ۷)

نیز ہم اس مسئلہ کی تحقیق کہ "ایک روپے کو ایک اشرفی کے عوض بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہ" اس انداز میں بیان کر چکے جس پر مزید زیادتی کی گنجائش نہیں۔ لہذا جب قرشوں، ریال، اشرفی اور ریزگاری میں یہ حکم ہے حالانکہ یہ سب ثمن خلقی ہیں اور

ان سب میں سود کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو پھر روپوں کے عوض نوٹ کی خرید و فروخت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے، اور اس کی مالیت کا اندازہ ایک ایسی اصطلاح سے کیا گیا ہے جس کی پابندی بائع و مشتری پر لازم نہیں، اور اس میں ربا کی دونوں علتوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی، نہ جنس، نہ ہی قدر، لہذا یہاں ناجائز ہونے کا حکم تین قسم کے لوگ ہی لگا سکتے ہیں جن پر سے قلم شرع اٹھالیا گیا ہے۔ (۱) بچہ (۲) سونے والا اور (۳) دیوانہ، ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس مسئلہ میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولہا کے بعد عطر نہیں۔ لیکن اے شخص.....! اگر تم اپنی اس بات کے علاوہ اور کوئی بات تسلیم نہ کرو کہ "نوٹ روپوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے" تو اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہوں گا (۱) کہ نوٹ کے روپوں میں غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہو گیا یا حکماً.....؟ حکماً سے مراد یہ ہے کہ شرع نے روپوں سے نوٹ کی بیع میں وہی حکم جاری فرمایا جو روپوں کو روپوں کے عوض بیچنے میں ہے، جیسا کہ تم نے کہا تھا کہ گویا دس روپے ہیں، جنہیں بارہ روپوں کے عوض بیچا گیا ہے۔ یا پھر نوٹ حقیقۃً و حکماً کسی طرح بھی روپوں کے حکم میں نہیں، اس تیسری صورت میں تمہاری گزشتہ لفاظی کیا بے منشاوے معنی ہے.....؟ اور پہلی دو صورتوں میں جب تم دس کا

..... مولانا لکھنوی صاحب پرچہ ہواں رڈ۔

نوٹ دس کے عوض بیچو گے تو سود خود تم پر پلٹے گا؛ کیونکہ روپوں کی روپوں سے بیچ کی صورت میں دونوں کی مالیت کا برابر ہونے کا حکم نہیں بلکہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس مسئلہ میں کھرا اور کھوٹا دونوں برابر ہیں صرف وزن میں برابری کا حکم ہے۔

لہذا تم پر واجب ہے کہ تم ایک پلڑے میں نوٹ اور دوسرے میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی رکھو، بس اتنے ہی نوٹ بیچے جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو اور یہ چاندی دوانی یا چوٹی بھر سے زائد نہ ہوگی، اور اگر تم اس سے زیادہ لو گے تو گویا تم نے سود کھایا اور سود کو جلال کیا، اور اگر تم یہ گمان کرو (۱) کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ بیچ و ثمن کو مالیت میں برابر کر لیا جائے، تو یہ تمہاری بڑی نادانی ہے جو مسخرے پن کی طرح ہے، اور ضعف کی وجہ سے لچک لچک ہو رہا ہے؛ کیونکہ مالیت میں برابر کرنا خود روپوں کا حکم نہیں تھا، لہذا جو حکم خود روپوں میں نہیں تو ان کے مشابہ نوٹ میں وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا.....!

اس کے علاوہ اگر نوٹ روپوں کے ساتھ حقیقتہً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو پھر بھی سونے کے ساتھ ہرگز متحد نہ ہوگا؛ کیونکہ دو متبائن نوعین متحد (دو مختلف اور متضاد چیزیں ایک جگہ جمع) نہیں ہو سکتیں، لہذا اس صورت میں اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کے عوض بیچا جائے تو وہ حرج جو بارہ روپے کے عوض بیچنے میں تھا لازم نہیں

..... مولانا لکھنوی صاحب پر پندرہواں رد۔

آئے گا؛ کیونکہ یہاں نہ حقیقتاً ایک جنس ہے نہ حکماً، لہذا اب تیرے فتویٰ کا انجام یہ ہوگا کہ دس کانوٹ بارہ روپے کے عوض بیچنا تو حرام ہے؛ کیونکہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی یعنی دو روپے زائد وصول کئے، اور اگر یہی نوٹ بارہ سونے کی اشرفیوں کے عوض بیچا جائے تو کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ اس نے کوئی قابل اعتبار زیادتی وصول نہیں کی۔
تو سبحان اللہ اس فتویٰ کے کیا کہنے.....! اس کی نظر کس قدر دقیق ہے.....!
سود کو حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصود تھا، یعنی لوگوں کے مال کو محفوظ رکھنا اس فتویٰ نے اس مقصد کی کس قدر رعایت کی.....!

ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم.

خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ ہی کسی اصل کی طرف لوٹتا ہے، نہ ہی دلیل کی جانب، بلکہ یہ ان کا خود ساختہ فہم ہے اور وہی اس کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری اور بے شک تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی پر بھروسہ ہے اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

سوال ۱۲: کیا یہ صورت جائز ہے کہ زید عمر و سے قرض لینا چاہے تو عمر و کہے کہ

چاندی کے روپے تو میرے پاس نہیں، البتہ دس کانوٹ چاندی کے بارہ روپے کے عوض تجھے ایک سال تک کے لئے قسطوں پر بیچتا ہوں، اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے ایک روپیہ بطور قسط ادا کرو گے؟ یا یہ صورت سود کا حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے؟ اور اگر یہ

جائز ہے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے؟ حالانکہ دونوں سے مقصود (Intended) زائد مال کا حصول ہے مگر یہ حلال اور سود حرام۔

الجواب

اگر دونوں حقیقۃً بیع ہی کی نیت سے لین دین کریں اور قرض کی نیت نہ کریں تو یہ صورت جائز ہے، نیز اس صورت میں کمی بیشی اور مدت معینہ (Term) تک ادھار بھی جائز ہے، جیسا کہ ہم ان باتوں کی تحقیق بیان کر چکے ہیں، اور قسطوں پر دینا بھی ایک قسم کی مدت معین کرنا ہی ہے۔ ہاں.....! اگر عمر و دس کا نوٹ بطور قرض دے اور یہ شرط ٹھہرا لے کہ چاندی کے بارہ یا گیارہ یا دس روپے سے کچھ زائد رقم ابھی یا کچھ مدت بعد قسط وار، یا بلا قسط واپس کرے گا تو یہ ضرور حرام اور سود ہے، اس لئے کہ یہ ایک ایسا قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا جا رہا ہے، اور بے شک ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((کہ جو قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے))

("کنز العُمال" ، کتاب الدین والسلم من قسم الأقوال ، فصل فی لواحق کتاب الدین ،

رقم الحدیث: ۱۵۵۱۲ ، ج ۶ ، ص ۹۹)

اس حدیث کو حارث بن ابواسامہ نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ - کرم اللہ تعالیٰ

وجہہ الکریم - سے روایت کیا ہے۔

قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے زائد دینے کا بیان

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ہی لین دین سے زیادہ لینا معروف تھا؛ کیونکہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہوتی ہے پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کر کے اپنی طرف سے بطور احسان کچھ زائد دیا جو قرض کے علاوہ ممتاز ہو (یہ اس لیے کہ قابل تقسیم میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے)، تو یہ جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، بلکہ اس قبیل سے ہے کہ:-

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾

(پ ۲۷، الرَّحْمَنُ: ۶۰)

ترجمہ کنز الایمان: "احسان کا بدلہ کیا ہے سوائے احسان کے"۔

اور بے شک یہ بات سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاجامہ خرید فرمایا۔ اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تولنے والے سے فرمایا کہ:-

((تول اور کچھ زیادہ دے))

(سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی الرجحان، رقم الحدیث: ۱۳۰۹، ج ۳،

ص ۵۲۔ "سنن النسائي"، کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن، ج ۷، ص ۲۸۴)

اسی طرح سے اگر کسی کو دس کا نوٹ قرض دیا تھا بعد میں قرض خواہ نے اس سے قرض کا تقاضا کیا قرضدار نے کہا کہ میرے پاس اس قسم کا نوٹ نہیں ہے اور میں تمہیں نوٹ کے بدلے روپے دوں گا، پھر دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپوں پر صلح ہوگئی اور اسی مجلس میں بارہ روپے ادا کر دیئے (تاکہ عاقدین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں) تو یہ بھی جائز ہے۔

پھر اگر وہ نوٹ جو اُس نے لیا تھا اُس کے پاس نہ رہا یعنی اس سے خرچ ہو گیا جب تو اس کے جائز ہونے پر تمام ائمہ متفق ہیں، اور اگر نوٹ قرضدار کے پاس موجود ہے مگر قرضدار نے خاص اسی نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا تھا بلکہ جو نوٹ قرضدار کے ذمہ قرض تھا اُسے خریدا، تو یہ امام اعظم اور امام محمد - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - کے نزدیک جائز ہے۔

ہاں.....! اگر جو نوٹ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہ اسی نوٹ کو بارہ روپوں یا دس یا جتنے میں چاہے خرید لے تو یہ بیع طرفین یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل، اور امام ابو یوسف - رضی اللہ تعالیٰ عنہم - کے نزدیک جائز ہے۔

باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب قرضدار نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس نوٹ کا مالک ہو گیا، تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خرید سکتا ہے.....!
"وجیز کردری" میں ہے جب زید کا کسی پر غلہ یا پیسے قرض ہوں، قرض دار نے زید سے وہ

قرض روپوں کے بدلے میں خرید لیا اور دونوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو یہ بیع باطل ہوگئی۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔

("الفتاویٰ البزازیة" هامش "الفتاویٰ الہندیة"، کتاب الصرف، ج ۵، ص ۶)

"ردالمحتار" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرض دینے والے کا جو غلہ

قرضدار پر آتا تھا وہ غلہ قرضدار نے قرض خواہ سے سوا شرفیوں کے بدلے خرید لیا تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ قرض اس قرضدار پر نہ عقد صرف (۱) سے تھا نہ عقد سلم (۲) سے، پھر اگر وہ

غلہ خریداری کے وقت خرچ ہو چکا تھا پھر تو سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے؛ کیونکہ

خرچ کرنے سے بالاتفاق غلہ کا مالک ہو گیا تھا، اور یہ غلہ اس قرضدار کے ذمہ بطور

قرض واجب رہا، اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز

ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز؛ کیونکہ ان کے نزدیک جب تک قرضدار غلہ

خرچ نہ کر لے اس کا مالک نہ ہوگا اور نہ ہی اس غلہ کی مثل (Similar) دینا اس پر

واجب ہوگا اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے اسے خرید اتو معدوم چیز کو

خریدالہذا یہ صورت ناجائز ہوئی۔ ("ردالمحتار"، کتاب البیوع، باب المرابحة، فصل

۱..... کیونکہ وہ (علامہ قاری الہدایہ) تو اسے بیع سلم (V. alivrer) مان رہے ہیں اور تم (علامہ

شامی) اسے بیع صرف کہہ رہے ہو۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲..... اس لئے کہ ثمن میں بیع سلم اصلاً جائز نہیں، چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ

شرط ہے جیسے ثمن کے عوض ثمن کی بیع سلم یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن کے عوض بیع کی بیع سلم۔

پیش کش: مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

فی القرض، مطلب: فی شراء المستقرض... إلخ، ج ۷، ص ۴۱۱)

نیز "ردالمحتار" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے ہے کہ زید نے کسی سے ایک پیانہ (Measure) مثال کے طور پر ۱۰ کلو گندم قرض لے کر اس پر قبضہ کر لیا، پھر بعینہ وہی گندم قرض دینے والے سے خریدی تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک یہ ناجائز ہے؛ کیونکہ زید تو قبضہ کرتے ہی گندم کا مالک ہو گیا، تو پھر اپنی ملک کسی اور سے کیسے خرید سکتا ہے.....؟ ہاں.....! امام ابو یوسف کے نزدیک وہ گندم ابھی تک قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے، تو یہ ایسے ہو گیا کہ پرانی ملک اس سے خریدی لہذا یہ جائز و صحیح ہے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب المرابحة، فصل فی القرض، مطلب فی شراء المستقرض... إلخ، ج ۷، ص ۴۱۱)

سود سے بچنے کی ترکیبیں

جہاں تک سود سے بچنے کے لئے حیلہ کرنے (Stratagem) کا تعلق ہے تو اس کے بیان میں ہم نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا وہی کفایت کرے گا، اور امام ابو یوسف -رحمۃ اللہ علیہ- کا قول بھی گزرا کہ "بیع عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا؛ کیونکہ یہ حرام سے بچنا چاہتا ہے۔"

("الفتاویٰ الخانیة"، کتاب البیوع، باب فی بیع مال الربا، فصل فیما یكون فراراً عن

الربا، ج ۲، ص ۴۰۸)

اور ان کا یہ قول بھی گزر چکا کہ صحابہ کرام - علیہم الرضوان - نے بھی بیع عینہ کی

اور اس کی تعریف بھی فرمائی۔

("فتح القدیر" ، کتاب الکفالة ، قبیل فی الضمان ، ج ۶ ، ص ۳۲۴ ، ملخصاً)

اور " فتاویٰ قاضی خان " کا قول گزرا کہ اس کے مثل عمل کرنا نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے کرنے کا حکم دیا تو

اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام - رضی اللہ عنہم اجمعین - کی اجازت

کے بعد اسے منع کرنے والا کون ہے - (" فتاویٰ قاضی خان " ، کتاب البیوع ، باب فی

بیع مال الربا ، فصل فیما یکون فراراً عن الربا ، ج ۲ ، ص ۴۰۸)

اور " بحر الرائق " میں " قذیہ " کے حوالے سے مذکور ہے کہ خرید و فروخت کی وہ

اقسام جنہیں لوگ سود سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں ، پھر ایک

عالم صاحب کا قول لکھا کہ وہ انہیں مکروہ کہتے ہیں ، امام بقالی بیع کی ان اقسام کے مکروہ

ہونے کو امام محمد سے روایت کرتے ہیں ، اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان

میں کچھ حرج نہیں - امام شمس الائمہ زرنجری فرماتے ہیں کہ امام محمد کا اختلاف اس صورت

میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر اس قسم کی بیع کریں ، اور اگر بیع ہوگئی پھر روپے دیئے تو اس

میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں - (" البحر الرائق " ، کتاب البیوع ، باب الربا ، قولہ (فضل

مال بلا عوض فی معاوضۃ) ج ۶ ، ص ۲۱۱)

اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے قرض میں بیع کی شرط نہ ہونے کی صورت میں ان اقسام کے جائز ہونے پر اتفاق نقل فرمایا ہے، لہذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تعلیم، صحابہ کرام سے اسے کرنا اور اس کی تعریف ثابت، اور ہمارے ائمہ کرام کا اس کے جواز پر اجماع قائم ہے تو اب شک کی کوئی جگہ باقی رہی۔

-واللہ الہادی الی الصواب۔

"اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ بیع اور قرض دونوں اس طرح سے جمع ہوں کہ زید عمر و کو کچھ روپے قرض دے اور تھوڑی سی چیز اسے زیادہ قیمت میں بیچے، تو قرضدار قرض کی ضرورت کی بنا پر اسے خریدے گا، تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض علماء کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع کھینچ کر لارہا ہے، اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی اور قرض بعد میں دیا تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ وہ ایک ایسی بیع ہے جو قرض کا نفع لائی، جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے اس کا فائدہ (Benefit) بیان فرمایا اور اسی پر فتویٰ دیا، جیسا کہ "ردالمحتار" میں مذکور ہے۔ ("ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، مطلب: کل قرض

جر نفعاً حرام، ج ۷، ص ۴۱۵)

اور وہ مسئلہ جو ہمارا موضوع بحث ہے یعنی نوٹ، یہ تو خالص بیع ہے اس میں

قرض اصلاً نہیں، نہ لین دین سے پہلے اور نہ ہی بعد میں لہذا اس کا بالاتفاق بلا خلاف و بلا نزاع جائز ہونا ہی زیادہ لائق اور مناسب ہے۔

اس قسم کے حیلے کا قرآن و حدیث سے ثبوت

اگر تم حیلہ کے مسئلہ میں مزید وضاحت کے طلب گار ہو تو سنو.....! ہمارا

رب۔ عزوجل۔ اپنے بندہ ایوب۔ علیہ السلام۔ سے فرماتا ہے:-

﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْتًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنُتْ﴾ (پ ۲۳، ص: ۴۴)

ترجمہ کنز الایمان: "اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ۔"

اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود سے بچنے کا حیلہ اور ایسا

طریقہ بیان فرمایا ہے کہ مقصود بھی حاصل ہو جائے اور حرام سے بھی محافظت رہے۔

"بخاری" و "مسلم" نے حضرت ابوسعید خدری۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے روایت کیا کہ

انہوں نے فرمایا: حضرت بلال۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس

برنی کھجوریں لے کر حاضر ہوئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:-

((تم نے یہ کہاں سے لیں.....؟))

حضرت سیدنا بلال۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نے عرض کی:-

حضور ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے دو صاع (۱) خراب

..... ایک صاع تقریباً چار کلو اور سو گرام کے وزن کا پیمانہ ہوتا ہے۔

چھوہاروں کے بدلے ایک صاع برنی کھجوریں خریدیں۔

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

((اُف یہ تو خالص سود ہے، خالص سود ہے ایسا نہ کرو.....! مگر جب تم ان

کھجوروں کو خریدنا چاہو تو پہلے اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ لو اور پھر اُس چیز کے بدلے ان کھجوروں کو خرید لو))۔

("صحيح البخارى" ، كتاب الوكالة، باب إذا باع الوكيل شيئاً فاسداً... إلخ، رقم

الحديث: ۲۳۱۲، ج ۲، ص ۸۳۔ "صحيح مسلم" ، كتاب المساقات، باب بيع الطعام

مثلاً بمثل، رقم الحديث: ۱۵۹۴، ص ۸۶۰)

نیز "بخاری" و "مسلم" نے حضرت ابوسعید خدری اور ابوہریرہ۔ رضی اللہ عنہما۔

دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر گورنر بنا

کر بھیجا، وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنیب کھجوریں یعنی اعلیٰ قسم کی

کھجوریں لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:-

((کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟))

عرض کی: نہیں۔

خدا کی قسم.....! یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم اس قسم کی کھجوروں کا ایک

صاع دو صاع کے بدلے میں، دو صاع تین صاع کے بدلے میں خریدتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

((ایسا نہ کرو.....! اپنی کھجوریں روپوں کے بدلے میں بیچ کر روپوں سے یہ

جیب کھجوریں خرید لیا کرو))۔

("صحیح البخاری" ، کتاب البیوع ، باب إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منہ ، رقم الحدیث:

۲۲۰۱، ۲۲۰۲، ج ۲، ص ۴۴۔ "صحیح مسلم" ، کتاب المساقات ، باب بیع الطعام

مثلاً بمثل ، رقم الحدیث: ۱۵۹۳ ، ص ۸۵۹)

میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے بیع کی اس صورت کو مکروہ کہا جیسے امام محمد تو اس

کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ "فتح القدر" ، "ایضاح" اور "محیط" کے حوالوں سے گزرا کہ

لوگ اس کی طرف راغب ہو کر کسی ناجائز کام میں نہ پڑ جائیں اور ہمارے زمانے میں

معاملہ الٹا ہو گیا ہے، اور ہندوستان میں سود کا علانیہ لین دین ہونے لگا ہے، لوگ اس

سے بالکل نہیں شرماتے، گویا یہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے اور نہ ہی عار کی بات، لہذا

وہ عالم دین جو ان لوگوں کو سود جیسی بلائے عظیم اور سخت کبیرہ گناہ سے بچا کر سود سے بچاؤ

کے جائز حیلوں کی طرف لے آئے، جیسے دس کانوٹ قسط بندی کر کے بارہ کو بیچنا اور اس

کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خان سے گزرے تو کچھ شک و شبہ نہیں کہ وہ

مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، اور دین ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے ہی کا نام ہے،

لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے۔ ولله الحمد۔

لہذا جب مسلمان ایسی بات سنیں گے کہ ان کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور وہ حرام فعل کے ارتکاب سے بھی بچے رہیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں اور شریعت و اسلام کی بات پر عمل نہ کریں، کیونکہ انہیں شریعت و اسلام سے کوئی عداوت نہیں اور بیشک مشائخِ بلخ مثلاً امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے کہا کہ "بیع عینہ جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔"

محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: "یہ ٹھیک بات ہے اس لیے کہ بلاشبہ بیع فاسد غصب و حرام کے حکم میں ہے، تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ بیع عینہ تو صحیح ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔"

("فتح القدیر"، کتاب الکفالة، قبیل فصل فی الضمان، ج ۶، ص ۳۲۴)

باقی رہا گمان کرنے والے کا یہ گمان کہ اگر بیع کی یہ صورت منع نہیں تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی دونوں میں حاصل ہوتی ہے.....؟
تو میں اس کا جواب یوں دوں گا کہ یہ وہ اعتراض ہے جو کفار نے کیا تھا تو خود اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن پاک میں دیا:-

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبُوِّ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبُو﴾

(پ ۳، البقرة: ۲۷۵)

ترجمہ کنز الایمان: "انہوں (کافروں) نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند

ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔"

کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا ہے جہاں دو مختلف

جنسوں کی خرید و فروخت ہو، اور اگر یہ صورت بھی حرام ہو جائے تو خرید و فروخت کا

دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

- لا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم -

وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب مکمل ہوا۔

- والحمد للہ اولاً و آخراً و باطناً و ظاہراً -

اور میں نے اس کا نام "کفل الفقیہ الفہم فی احکام قرطاس الدرہم"

رکھا، تاکہ نام سن تصنیف ۱۳۲۴ھ پر دلالت کرے۔

بہر حال بندہ ضعیف نے یہ "رسالہ" ہفتہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار

کے دن دوبارہ بخار ہو گیا لہذا پیر کے دن ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ دوپہر کو یہ "رسالہ"

تمام کر دیا۔

اور یہ تصنیف اللہ تعالیٰ کے حرمت و عظمت والے شہر مکہ معظمہ میں ہوئی، ان کی

خواہش سے جو فاضل کامل، پاکیزہ، مصلائے حنفی کے امام ہیں، مولانا شیخ عبد اللہ

- رحمہ اللہ تعالیٰ - ان کے صاحبزادے جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں

کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل و منبع

فواضل حضرت شیخ احمد ابوالخیر۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہر نقصان سے ان دونوں بزرگوں کو محفوظ رکھے اور ہر بھلائی سے انہیں حصہ عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمارے عیبوں کو چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری فرمائے اور ہمیں بار بار اپنے عزت والے گھر کعبہ پاک اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مزار مقدس کی طرف اپنے قبول اور رضا کے ساتھ لوٹنا نصیب فرمائے، اور آخر میں ایمان و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا اور بلند و بالا مرتبہ والے شفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین.....!

اللہم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی آلہ و صحبہ و بارک و کرم

آمین.....!

والحمد لله رب العالمین

ک
تیبہ

عبدہ المذنب أحمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مصدری بنی حنفی قادری (۱۳۰۱ھ)

عبد المصطفیٰ احمد رضا خان

پیش کش: مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

حامی سنت، ماحی بدعت جناب مولانا مولوی

شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رام پوری

رحمة الله تعالى عليه کا فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آجکل جو نوٹ

رانج ہیں ان کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت پر ان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب هو الملهم للصواب

ترجمہ: "بے شک اللہ عزوجل ہی درستی کا الہام فرماتا ہے"

مذکورہ نوٹ کی کم یا زیادہ قیمت پر خرید و فروخت جائز ہے؛ کیونکہ گورنمنٹ نے

اسے مال قرار دیا ہے اور جس چیز کو قوم کی اصطلاح (Terminology) میں مال قرار

دیدیا جائے چاہے اصل میں (Originally) اس کی ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن

قوم کے اسے ثمن (Currency) قرار دینے سے اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت

ہو جاتی ہے، نیز اسے اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت پر بیچنا بھی جائز ہے۔ "ہدایہ"

میں ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف۔ رضی اللہ عنہما۔ کے نزدیک ایک پیسے کو دو معین

پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے، جبکہ امام محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں؛ کیونکہ کسی چیز کی

ثمنیت تمام لوگوں کے اسے ثمن (Currency) قرار دینے سے ثابت ہوتی ہے، لہذا یہ

اصطلاح (Terminology) فقط بائع و مشتری کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور

شیخین یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ بائع و مشتری کے حق میں کسی چیز کا ثمن ہونا فقط انہی کی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ ان دونوں پر کسی غیر کو کوئی ولایت (Guardian Ship) حاصل نہیں، لہذا ان دونوں کی اصطلاح سے اس چیز کی ثمنیت باطل ہو جائے گی، اور جب ثمنیت باطل ہوگی تو تعین کرنے سے وہ چیز معین بھی ہو جائے گی۔

("الهدایة" فی شرح "بداية المبتدی"، کتاب البیوع، باب الربا، ج ۳، ص ۶۳)

لہذا جب نوٹ میں۔ جو کہ اصل میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔ ثمنیت ثابت ہوگئی تو کم و زیادہ قیمت پر اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

"ردالمحتار" کے باب العینہ میں ہے: "یہاں تک کہ اگر کوئی کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار کے عوض بیچے تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔"

("رد المحتار"، کتاب الکفالة، مطلب: فی بیع العینة، ج ۷، ص ۶۵۵)

والله أعلم وعلمه أتم

(العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ)

علماء کرام

تصدیقات

- 1.....! الجواب صواب
محمد ارشاد حسین احمدی
- 2.....! الجواب صواب
محمد حسن
- 3.....! الجواب هو الجواب
محمد نظر علی
- 4.....! الجواب صحیح
محمد اعجاز حسین
- 5.....! البتہ بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد محمد عبدالقادر عثمی عنہ
- 6.....! بلاشبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد ابوالقاسم محمد منزل عثمی عنہ
- 7.....! الجواب صواب
محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خان
- 8.....! الجواب صحیح
حامد حسین عثمی عنہ
- 9.....! حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے
العبد محمد عنایت اللہ عثمی عنہ

ماخذ ومراجع

مطبوعه	مصنف / مؤلف	كتاب	نمبر شمار
ضياء القرآن، كراچی	كلام الله عز وجل	القرآن الكريم	١
دار الكتب العلمية، بيروت	محمد بن إسماعيل البخاري عليه الرحمة ت ٢٥٦هـ	صحيح البخاري	٢
دار ابن حزم، بيروت	مسلم بن حجاج القشيري عليه الرحمة توفي ٢٦١هـ	صحيح مسلم	٣
دار الفكر، بيروت	محمد بن عيسى الترمذي عليه الرحمة متوفى ٢٧٩هـ	سنن الترمذي	٤
دار الجيل، بيروت	أحمد بن شعيب النسائي عليه الرحمة متوفى ٣٠٣هـ	سنن النسائي	٥
دار إحياء التراث العربي، بيروت	أبو داود سليمان بن أشعث عليه الرحمة توفي ٢٧٥هـ	سنن أبي داود	٦
دار الكتب العلمية، بيروت	أحمد بن الحسين البيهقي عليه الرحمة توفي ٣٠٣هـ	السنن الكبرى	٧
دار إحياء التراث العربي، بيروت	سليمان بن أحمد الطبراني عليه الرحمة توفي ٣٦٠هـ	المعجم الكبير	٨
دار الكتب العلمية، بيروت	أحمد بن الحسين البيهقي عليه الرحمة توفي ٣٠٣هـ	شعب الإيمان	٩
دار الكتب العلمية، بيروت	علي المتقي الهندي عليه الرحمة المتوفى ٩٧٥هـ	كنز العمال	٢٠
دار الكتب العلمية، بيروت	عبد الرؤوف المناوي عليه الرحمة المتوفى ١٠٠٣هـ	فيض القدير شرح الجامع الصغير	١١
دار الفكر، بيروت	محمد بن أحمد الذهبي عليه الرحمة متوفى ٧٤٨هـ	ميزان الاعتدال	١٢
دار المعرفة، بيروت	أمين ابن عابدين الحنفي عليه الرحمة ت ١٢٥٦هـ	رد المحتار	١٣
دار الفكر، بيروت	شهاب الدين أحمد بن علي العسقلاني ت ٨٥٢هـ	تقريب التهذيب	١٤
كوئته	محمد ابن الهمام عليه الرحمة ت ٦٨١هـ	فتح القدير للعاجز الفقير	١٥
كوئته	سعد الله بن عيسى أفندي عليه الرحمة ت ٩٤٥هـ	حاشية أفندي هامش فتح القدير	١٦

١٧	الهداية في شرح بداية المبتدي	علي بن أبي بكر المرغيناني عليه الرحمة ت ٥٩٣هـ	دار إحياء التراث العربي، بيروت
١٨	البحر الرائق	زين الدين ابن نجيم عليه الرحمة المتوفى ٩٧٠هـ	كوئته
١٩	النهر الفائق	سراج الدين عمر ابن نجيم عليه الرحمة ت ١٠٠٥هـ	ملتان
٢٠	تبيين الحقائق	عثمان بن علي الزيلعي عليه الرحمة المتوفى ٧٤٣هـ	دار الكتب العلمية، بيروت
٢١	الفتاوى البرازية هامش الهندية	محمد بن محمد البراز عليه الرحمة المتوفى ٨٢٧هـ	اكوئته
٢٢	فتاوى قارئ الهداية	سراج الدين عمر بن إسحاق الغزنوي ت ٧٧٣هـ	دار الفرقان، عمان
٢٣	الكفاية مع فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي عليه الرحمة المتوفى ٨٠٠هـ	اكوئته
٢٤	الفتاوى الهندية	جماعة علماء وعالمگير عليه الرحمة ت ١١٦١هـ	كوئته
٢٥	البنية في شرح الهداية	العلامة بدر الدين العيني عليه الرحمة ت ٨٥٥هـ	دار الفكر، بيروت
٢٦	نصب الراية	عبد الله بن يوسف الزيلعي عليه الرحمة ت ٧٦٢هـ	پشاور
٢٧	العناية هامش فتح القدير	محمد بن محمود البابر تي عليه الرحمة ت ٧٨٦هـ	كوئته
٢٨	بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع	علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني ت ٥٨٧هـ	دار إحياء التراث العربي، بيروت
٢٩	الفتاوى الخانية	حسن بن منصور أوزجندي عليه الرحمة ت ٥٩٢هـ	پشاور
٣٠	الفتاوى الرضوية (الجديدة)	إمام أحمد رضا خان عليه رحمة الرحمن ت ١٣٤٠هـ	رضافاؤنڈیشن، لاهور
٣١	تاريخ بغداد أو مدينة السلام	أحمد بن علي البغدادي عليه الرحمة ت ٤٦٣هـ	دار الكتب العلمية، بيروت
٣٢	بهار شريعت	مولانا أمجد علي أعظمي عليه الرحمة ت ١٣٦٧هـ	ضياء القرآن پبلي كيشنز، لاهور
٣٣	سوانح إمام أحمد رضا	علامه بدر الدين أحمد قادري عليه الرحمة ت ١٩٨٤هـ	مكتبة نوريه رضويه، سكر
٣٤	فتاوى رشيدية	رشيد أحمد گنگوهي ت ١٣٢٣هـ	محمد علي كارخانه، كراچی

مجلس المدینة العلمیة کی طرف سے پیش کردہ قابل مطالعہ کتب

﴿ شعبہ کُتبِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ﴾

(۱) **کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات:** یہ کتاب (کفل الفقیہ الفہم فی احکام قرطاس الدرہم) کی تسہیل و تخریج پر مشتمل ہے۔ جس میں نوٹ کے تبادلے اور اس سے متعلق شرعی احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ (کل صفحات: ۱۱۵)

(۲) **ولایت کا آسان راستہ (تصویر شیخ):** یہ رسالہ (الیاقوتۃ الواسطۃ) کی تسہیل و تخریج پر مشتمل ہے۔ جس میں پیرومرشد کے تصور کے موضوع پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ (کل صفحات: ۶۰)

(۳) **ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہید ایمان):** اس رسالے میں تمہید ایمان کے مشکل الفاظ کے معانی اور ضروری اصطلاحات کی مختصر تشریحات درج کی گئی ہیں۔ (کل صفحات: ۷۴)

(۴) **معاشی ترقی کا راز (حاشیہ و تشریح تدبیر فلاح و نجات و اصلاح):** اس رسالے میں پورے عالم اسلام کے لیے چار نکات کی صورت میں معاشی حل پیش کیا گیا ہے۔ (کل صفحات: ۴۱)

(۵) **شریعت و طریقت:** یہ رسالہ (مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء) کا حاشیہ ہے۔ اس عظیم رسالے میں شریعت اور طریقت کو الگ الگ ماننے والے جاہلوں کی صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔ (کل صفحات: ۵۷)

(۶) **ثبوتِ ہلال کے طریقے (طرق اثبات ہلال):** اس رسالے میں چاند کے ثبوت کے لئے مقرر شرعی اصول و ضوابط کی تفصیلات کا بیان ہے۔ (کل صفحات: ۶۳)

(۷) **عورتیں اور مزارات کی حاضری:** یہ رسالہ (جمل النور فی نہی النساء عن زیارة القبور) کا حاشیہ ہے۔ اس رسالے میں عورتوں کے زیارتِ قبور کے لئے نکلنے سے متعلق شرعی

حکم پر وارد ہونے والے اعتراضات کے مسکت جوابات شامل ہیں۔ (کل صفحات: ۳۵)

(۸) **اعلیٰ حضرت سے سوال جواب** (إظهار الحق الجلی): اس رسالے

میں امام اہل سنت علیہ رحمۃ الرحمن پر بعض غیر مقلدین کی طرف سے کئے گئے چند سوالات کے مدلل

جوابات بصورت انٹرویو درج کئے گئے ہیں۔ (کل صفحات: ۱۰۰)

(۹) **عیدین میں گلے ملنا کیسا؟** یہ رسالہ (وشاح الجید فی تحلیل

معانقۃ العید) کی تسہیل و تخریج پر مشتمل ہے۔ اس رسالے میں عیدین میں گلے ملنے کو بدعت کہنے

والوں کے رد میں دلائل سے مزین تفصیلی فتویٰ شامل ہے۔ (کل صفحات: ۵۵)

(۱۰) **راہ خدا عزوجل میں خرچ کرنے کے فضائل**: یہ رسالہ (راذ

القحط والوباء بدعوة الجیران ومواساة الفقراء) کی تسہیل و تخریج پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ

پڑوسیوں اور فقراء سے خیر خواہی اور وباء کو ٹالنے کے لیے صدقہ کے فضائل پر مشتمل احادیث

وحکایات کا بہترین مجموعہ ہے۔ (کل صفحات: ۴۰)

(۱۱) **والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق**: یہ رسالہ (الحقوق

لطرح العقوق) کی تسہیل و حاشیہ اور تخریج پر مشتمل ہے، اس میں والدین، اساتذہ گرام، احترام

مسلم اور دیگر حقوق کا تفصیلی بیان ہے (کل صفحات: ۱۲۵)

(۱۲) **دعاء کے فضائل**: یہ رسالہ (أحسن الوعاء لآداب الدعاء معہ ذیل المدعا

لأحسن الوعاء) کی حاشیہ و تسہیل اور تخریج پر مشتمل ہے، جس میں دعاء سے متعلق تفصیلی احکام

کا بیان ہے اور ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے (کل صفحات: ۱۴۰)

شائع ہونے والے عربی رسائل:

از امام اہل سنت مجددین و ملت مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن

- (۱) **کفل الفقیہ الفامہ** (کل صفحات: ۷۴). (۲) **تمہید الایمان**. (کل صفحات: ۷۷). (۳) **الاجازات المتینة** (کل صفحات: ۶۲). (۴) **اقامة القيامة** (کل صفحات: ۶۰). (۵) **الفضل الموهبی**. (کل صفحات: ۴۶). (۶) **أجلی الاعلام** (کل صفحات: ۷۰). (۷) **الزمزمة القمرية** (کل صفحات: ۹۳). (۸) **حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین**. (کل صفحات: ۱۹۴)

﴿ **شعبہ اصلاحی کتب** ﴾

(۱) **خوف خدا عزوجل**: اس کتاب میں خوفِ خدا ﷻ سے متعلق کثیر آیاتِ کریمہ، احادیثِ مبارکہ اور بزرگانِ دین کے اقوال و احوال کے بکھرے ہوئے موتیوں کو سلکِ تحریر میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے۔ (کل صفحات: 160)

(۲) **انفرادی کوشش**: اس کتاب میں نیکی کی دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے انفرادی کوشش کی ضرورت، اس کی اہمیت، اس کے فضائل اور انفرادی کوشش کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلاف کی انفرادی کوشش کے ”۹۹“ منتخب واقعات کو بھی جمع کیا گیا ہے جس میں بانیِ دعوتِ اسلامی امیرِ اہل سنت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کے ”۲۵“ واقعات بھی شامل ہیں نیز کتاب کے آخر میں انفرادی کوشش کے عملی طریقے کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ (کل صفحات: 200)

(۳) **شاہراہ اولیاء**: یہ رسالہ سیدنا امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیف ”**منہاج العارفين**“ کا ترجمہ و تسہیل ہے۔ اس رسالے میں امام غزالی علیہ الرحمۃ نے مختلف موضوعات کے تحت منفرد انداز میں غور و فکر یعنی ”**فکر مدینہ**“ کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی ہے۔ مثلاً انسان کو چاہئے کہ دن اور رات پر غور کرے کہ جب دن کی روشنی پھیل جاتی ہے تو رات کی تاریکی رخصت ہو جاتی

ہے اسی طرح جب نیکیوں کا نور انسان کو حاصل ہو جائے تو اس کے اعضاء سے گناہوں کی تاریکی رخصت ہو جاتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت غور کرے کہ کس عظمت والے رب عزوجل کے گھر میں داخل ہو رہا ہے؟ اسی طرح عبادت کرتے وقت غور کرے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ تو رب تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، علیٰ ہذا القیاس۔ (کل صفحات: 36)

(۴) **فکرِ مدینہ**: اس کتاب میں فکرِ مدینہ (یعنی محاسبے) کی ضرورت، اس کی اہمیت، اس کے فوائد اور بزرگانِ دین کی فکرِ مدینہ کے ”131“ واقعات کو جمع کیا گیا ہے جس میں بانی دعوتِ اسلامی امیرِ اہل سنت حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کے ۴۱ واقعات بھی شامل ہیں نیز مختلف موضوعات پر فکرِ مدینہ کرنے کا عملی طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ (کل صفحات: 164)

(۵) **امتحان کی تیاری کیسے کریں؟** اس رسالے میں ان تمام مسائل کا حل

بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک طالب علم کو امتحانات کی تیاری کے دوران درپیش ہو سکتے ہیں۔ یہ رسالہ بنیادی طور پر درسِ نظامی کے طلبہ اسلامی بھائیوں کو مد نظر رکھ کر لکھا گیا ہے، لیکن اسکول و کالج میں پڑھنے والے طلبہ (Students) کے لئے بھی یکساں مفید ہے۔ اس لئے انفرادی کوشش کرنے والے اسلامی بھائیوں کو چاہئے کہ وہ یہ رسالہ ان طلبہ تک بھی پہنچائیں کیونکہ اس رسالہ میں اپنے مدنی مقصد ”مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے، ان شاء اللہ عزوجل“ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سے مقامات پر نیکی کی دعوت بھی پیش کی گئی ہے۔ (کل صفحات: 132)

(۶) **نماز میں لقمہ دینے کے مسائل**: نماز میں لقمہ دینے کے مسائل پر

مشمول ایک کتاب جس میں مختلف صورتوں کا حکم اکابرین رحمہم اللہ کی کتابوں سے ایک جگہ جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ عوام الناس کی ان مسائل تک آسانی سے رسائی ہو سکے اور اس مسئلہ کے بارے میں لوگوں میں جو مختلف قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ (کل صفحات: 39)

(۷) **جنت کی دو چابیاں:** اس کتاب میں پہلے جنت کی نعمتوں کا بیان کیا گیا ہے، پھر

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے زبان و شرم گاہ کی حفاظت سے متعلق دی گئی ایک بشارت ذکر کی گئی ہے۔ اس کے بعد تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ ہم اس ضمانت کے حق دار کس طرح بن سکتے ہیں

۔ حسب ضرورت شرعی مسائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ امیدِ وثق ہے کہ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کے بارے میں ایک مقام پر اتنی تفصیل آپ کو کسی دوسری کتاب میں نہ ملے گی۔ **ذکر فضل**

اللہ العظیم (کل صفحات: 152)

(۸) **کامیاب استاذ کون؟** اس کتاب میں ان تمام امور کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے

جن کا تعلق تدریس سے ہو سکتا ہے مثلاً سبق کی تیاری، سبق پڑھانے کا طریقہ، سننے کا طریقہ علیٰ ہذا القیاس۔ یہ کتاب بنیادی طور پر شعبہ درسِ نظامی کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہے لیکن حفظ و ناظرہ کے اساتذہ بھی

معمولی ترمیم کے ساتھ اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتے ہیں نیز اسکول و کالجز میں پڑھانے والے اساتذہ کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں ہے۔ (کل صفحات: 43)

(۹) **نصابِ مدنی قافلہ:** اس کتاب میں مدنی قافلہ سے متعلق امور کا بیان ہے، مثلاً مدنی

قافلہ کی اہمیت، مدنی قافلہ کیسے تیار کیا جائے، مدنی قافلہ کا جدول، اس جدول پر عمل کس طرح کیا جائے، امیر قافلہ کیسا ہونا چاہیے؟ علاوہ ازیں موضوع کی مناسبت سے امیر اہل سنت بانی دعوتِ اسلامی مدظلہ

العالی کے عطا کردہ مدنی پھول بھی اس کتاب میں سجا دیئے گئے ہیں۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔ (کل صفحات: 196)

(۱۰) **حسنِ اخلاق:** یہ کتاب دنیائے اسلام کے عظیم محدث سیدنا امام طبرانی علیہ الرحمۃ کی شاہکار تالیف

”مکرمُ الاخلاق“ کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں امام طبرانی علیہ الرحمۃ نے اخلاق کے مختلف شعبوں کے

متعلق احادیث جمع کی ہیں۔ امیدِ وثق ہے کہ یہ کتاب شب و روز انفرادی کوشش میں مصروف رہنے والے

اسلامی بھائیوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی (شاء اللہ عزوجل)۔ (کل صفحات: 74)

(۱۱) **فیضان احیاء العلوم**: یہ کتاب امام غزالی علیہ الرحمۃ کی مایہ ناز کتاب

”احیاء العلوم“ کی تلخیص و تسہیل ہے جسے درس دینے کے انداز میں مرتب کیا گیا

ہے۔ اخلاص، مذمت دنیا، توکل، صبر جیسے مضامین پر مشتمل ہے۔ (کل صفحات: 325)

(۱۲) **راہ علم**: یہ رسالہ ”تعلیم المتعلم طریق التعلیم“ کا ترجمہ و تسہیل ہے جس

میں ان امور کا بیان ہے جن کی رعایت راہ علم پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے۔ اور ان باتوں

کا ذکر ہے جن سے اجتناب معلم و متعلم کے لئے ضروری ہے۔ (کل صفحات: 102)

(۱۳) **حق و باطل کا فرق**: یہ کتاب حافظ ملت عبدالعزیز مبارکپوری رحمہ اللہ کی تالیف ہے

”جسے حق و باطل کا فرق“ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے عقائد حقہ و باطلہ کے فرق کو

نہایت آسان انداز میں سوالاً جواباً پیش کیا ہے جس کی وجہ سے کم تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کا آسانی سے مطالعہ

کر سکتے ہیں۔ (کل صفحات: 50)

(۱۴) **تحقیقات**: یہ کتاب فقیہ اعظم ہند، مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی تالیف ہے،

تحقیقی انداز میں لکھی گئی اس کتاب میں بد مذہبوں کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کے

تسلی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔ متلاشیان حق کے لئے نور کا مینارہ ہے۔ (کل صفحات: 142)

(۱۵) **اربعین حنفیہ**: یہ کتاب فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف نقشبندی علیہ

الرحمۃ کی تالیف ہے۔ جس میں نماز سے متعلق چالیس احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور اختلافی مسائل

میں حنفی مذہب کی تقویت نہایت مدلل انداز میں بیان کی گئی ہے۔ (کل صفحات: 112)

(۱۶) **بیٹے کو نصیحت**: یہ امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتاب ”ایہا الولد“ کا اردو

ترجمہ ہے۔ بچوں کی تربیت کے لیے لاجواب کتاب ہے اس میں اخلاص، مذمت مال اور توکل جیسے

مضامین شامل ہیں۔ (کل صفحات: 64)

(۱۷) **طلاق کے آسان مسائل**: اس فقہی کتاب میں مسائل طلاق کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کی بنا پر طلاق سے متعلق عوام الناس میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا کافی حد تک ازالہ ہو سکتا ہے۔ (کل صفحات: 30)

(۱۸) **توبہ کی روایات و حکایات**: اس کتاب کی ابتداء میں توبہ کی ضرورت کا بیان ہے، پھر توبہ کی اہمیت و فضائل مذکور ہیں۔ اس کے بعد تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ سچی توبہ کس طرح کی جاسکتی ہے؟ اور آخر میں توبہ کرنے والوں کے تقریباً 55 واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔ امید واثق ہے کہ یہ کتاب اصلاحی کتب میں بہترین اضافہ متصور ہوگی۔ **ان شاء اللہ عزوجل** (کل صفحات: 124)

(۱۹) **الدعوة الى الفكر** (عربی): یہ کتاب محقق جلیل مولانا منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی کی ماہ ناز تالیف ”دعوت فکر“ کا عربی ترجمہ ہے جس میں بد مذہبوں کو اپنی روش پر نظر ثانی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (کل صفحات: 148)

(۲۰) **آداب مرشد کامل** (مکمل پانچ حصے): فی زمانہ ایک طرف ناقص اور کامل پیر کا امتیاز مشکل ہے تو دوسری طرف جو کسی کامل مرشد کے دامن سے وابستہ ہیں بھی تو انہیں اپنے مرشد کے ظاہری و باطنی آداب سے آشنائی نہیں۔ ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی تحریر ہو جس سے شریعت کی روشنی میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ناقص اور کامل مرشد کی پہچان بھی ہو سکے اور کامل مرشد کے دامن سے وابستگان آداب مرشد سے مطلع ہو کر ناواقفیت کی بنا پر طریقت کی راہ میں ہونے والے ناقابل تصور نقصان سے بھی محفوظ رہ سکیں۔ اس حقیقت کو جاننے اور مرشد کامل کے آداب سمجھنے کیلئے آداب مرشد کامل کے مکمل پانچ حصوں پر مشتمل اس کتاب میں شریعت و طریقت سے متعلق ضروری معلومات

پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ (کل صفحات: تقریباً 200)

(۲۱) **ٹی وی اور مووی**: فی زمانہ حالات بڑی تیزی کے ساتھ تیزی کی طرف بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ایک طرف بے عملی کا سیلاب اپنی تباہی مچا رہا ہے تو دوسری طرف بد عقیدگی کے خوفناک طوفان کی ہولناکیاں بربادی کے بھیانک مناظر پیش کر رہی ہیں۔ ان حالات میں میڈیا کا طرز عمل بھی سب کے سامنے ہے۔

”T.V اور مووی“ نامی اس رسالے میں ٹی وی اور مووی کے ناجائز استعمال کی تباہ کاریوں اور جائز استعمال کی مختلف صورتوں اور فی زمانہ اس کی ضرورت کا بیان ہے۔ (کل صفحات: 32)

(۲۲) **فتاویٰ اہل سنت**: اس سلسلے میں سات حصے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲۳) **جنت میں لے جانے والے اعمال**: اس کتاب میں مختلف نیک اعمال مثلاً حصول علم، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دیگر صدقات، تلاوت قرآن، صبر، حسن اخلاق، توبہ، خوف خدا عزوجل اور درود پاک کے ثواب کے بارے میں دو ہزار 2000 سے زائد احادیث موجود ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے خود میں عمل کا جذبہ بیدار ہوتا محسوس کریں گے ان شاء اللہ عزوجل۔ نیکی کی دعوت عام کرنے کا جذبہ رکھنے والے مسلمانوں کے لئے اس میں کثیر مواد موجود ہے۔ (تقریباً 1100 صفحات)

﴿ شعبہ درسی کتب ﴾

(۱) **تعریفات نحویہ**: اس رسالہ میں علم نحو کی مشہور اصطلاحات کی تعریفات مع امثلہ و توضیحات جمع کر دی گئی ہیں۔ اگر طلبہ ان تعریفات کا استحضار کر لیں تو علم نحو کے مسائل و ابحاث سمجھنے میں بہت سہولت رہے گی، ان شاء اللہ عزوجل۔ (کل صفحات: 45)

(۲) **کتاب العقائد**: صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی تصنیف

کردہ اس کتاب میں اسلامی عقائد اور حدیث پاک کی روشنی میں قیامت سے پہلے پیدا ہونے والے تیس جھوٹے مدعیان نبوت (کذابوں) میں سے چند کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب کئی مدارس کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ (کل صفحات: 64)

(۳) **نزہة النظر شرح نخبة الفكر**: یہ کتاب فن اصول حدیث میں لکھی گئی امام

حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی بے مثال تالیف ”**نخبة الفكر فی مصطلح اهل الاثر**“ کی عربی شرح ہے۔ اس شرح میں قوت و ضعف کے اعتبار سے حدیث کی اقسام، ان کے درجات اور محدثین کی استعمال کردہ اصطلاحات کی وضاحت درج کی گئی ہے۔ طلبہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔ (کل صفحات: 175)

(۳) **زبدۃ الفكر شرح نخبة الفكر**: یہ کتاب فن اصول حدیث میں لکھی گئی امام

حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی بے مثال تالیف ”**نخبة الفكر فی مصطلح اهل الاثر**“ کی اردو شرح ہے۔ اس شرح میں قوت و ضعف کے اعتبار سے حدیث کی اقسام، ان کے درجات اور محدثین کی استعمال کردہ اصطلاحات کی وضاحت درج کی گئی ہے۔ طلبہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔ (کل صفحات: 91)

(۴) **شریعت میں عرف کی اہمیت**: یہ رسالہ امام سید محمد امین بن عمر عابدین

شامی علیہ الرحمۃ کے عرف سے متعلق تحریر کردہ عربی رسالے ”**نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف**“ کا عربی ترجمہ ہے۔ تخصص فی الفقہ کے طلبہ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ (کل صفحات: 105)

(۵) **اربعین النوویہ** (عربی): علامہ شرف الدین نووی علیہ الرحمۃ کی تالیف جو کہ کثیر مدارس کے

نصاب میں شامل ہے۔ اس کتاب کو خوبصورت انداز میں شائع کیا گیا ہے۔ (کل صفحات: 121)

(۶) **نصاب التجوید**: اس کتاب میں درست مخارج سے حروف قرآنیہ کی ادائیگی کی معرفت کا

بیان ہے۔ مدارس دینیہ کے طلبہ کے لئے بے حد مفید ہے۔ (کل صفحات: 79)

(۷) **گلدستہ عقائد و اعمال**: اس کتاب میں ارکان اسلام کی وضاحت بیان کی گئی

ہے۔ (کل صفحات: 180)

(۸) **کامیاب طالب علم کیسے بنیں؟**: اس کتاب میں علم کے فضائل،

طلب علم کی نیتوں، اسباق کی پیشگی تیاری اور ترجمے میں مہارت حاصل کرنے کا طریقہ، کامیاب

طالب العلم کون؟ وغیرہم موضوعات کا بیان ہے۔ (کل صفحات: تقریباً 63)

﴿ شعبہ تخریج ﴾

عجائب القرآن مع غرائب القرآن: اس کتاب کی جدید کمپوزنگ، پرانے

نسخے سے مطابقت اور نہایت احتیاط سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے۔ حوالہ جات کی تخریج بھی کی گئی

ہے۔ (کل صفحات: 206)

﴿ شعبہ تراجم کتب ﴾

ان رسائل کے عربی تراجم شائع ہو چکے ہیں:

(۱) بادشاہوں کی ہڈیاں (عظام الملوك)

(مؤلف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۲) مردے کے صدے (هموم الميت)

(مؤلف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۳) شجرہ عالیہ قادریہ رضویہ عطاریہ،

(مؤلف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۴) ضیائے درود و سلام (ضیاء الصلوٰۃ والسلام)

مولف: بانی دعوت اسلامی مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی

ان رسائل کے فارسی تراجم شائع ہو چکے ہیں:

(۱) ضیائے درود و سلام، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۲) غفلت، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۳) ابو جہل کی موت، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

(۴) احترام مسلم، (مولف: بانی دعوت اسلامی حضرت مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی)

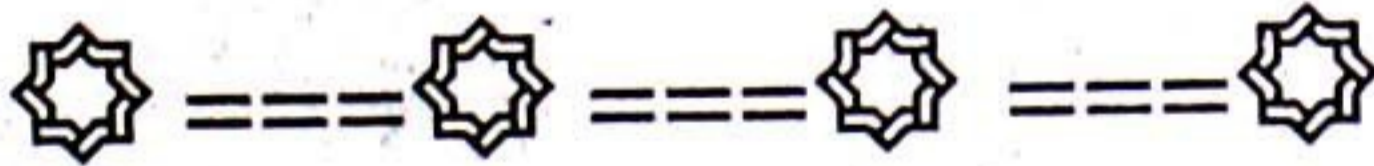
(۵) دعوت اسلامی کا تعارف۔

اس کے علاوہ امیر اہل سنت مدظلہ العالی کے کئی رسائل کے سندھی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

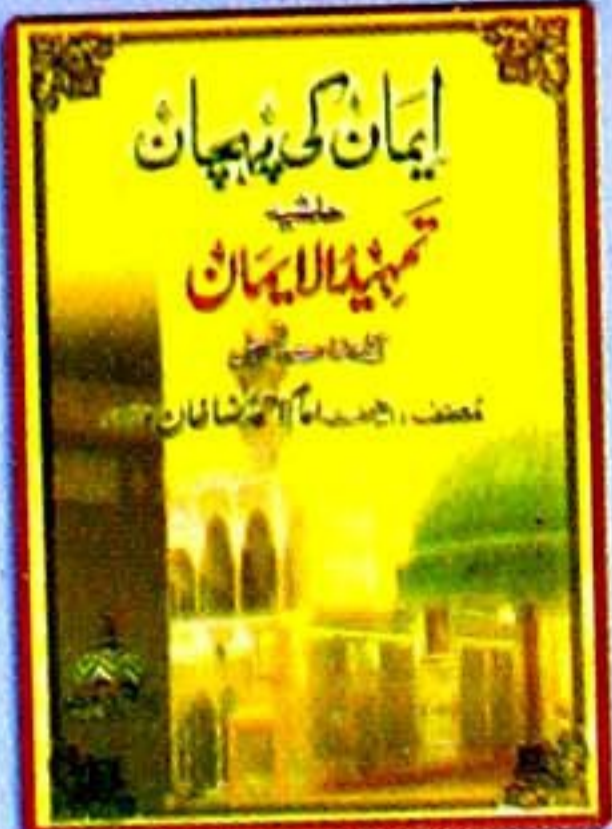
اسلام جو مجدد (سندھی): یہ کتاب امام اہل سنت، مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد

رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ جس میں آپ کے علمی مقام اور دینی خدمات کا

بیان ہے۔ (کل صفحات: 52)



المدینۃ العلمیہ کی کتب



سنت کی بھاریں

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ تَبْلِيغِ قُرْآنِ وَسُنَّتِ كِي عَالَمِ كِيرِ غَيْرِ سِيَّاسِي تَحْرِيكِ دَعْوَتِ
اسلامی كے مہكے مہكے مَدَنِي ماحول میں بكثرت سنتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں ہر
جمعات كو فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی میں مغرب کی نماز كے
بعد ہونے والے سنتوں بھرے اجتماع میں ساری رات گزارنے کی مدنی
التجا ہے، عاشقانِ رسول كے مَدَنِي قافلوں میں سنتوں کی تربیت کیلئے سفر
اور روزانہ فلكرِ مدینہ كے ذریعے مَدَنِي انعامات كا كارڈپُر كركے اپنے یہاں كے
ذمہ دار كو جمع كروانے كا معمول بنا لیجئے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اس کی برکت
سے پابندِ سنت بننے، گناہوں سے نفرت كرنے اور ایمان کی حفاظت کیلئے
گڑھنے كا ذہن بنے گا، ہر اسلامی بھائی اپنا یہ مَدَنِي ذہن بنائے كے "مجھے اپنی
اور ساری دنیا كے لوگوں کی اصلاح کی كوشش كرنی ہے" اِنْ شَاءَ اللّٰهُ
عَزَّ وَجَلَّ، اپنی اصلاح کیلئے مَدَنِي انعامات پر عمل اور ساری دنیا كے لوگوں کی
اصلاح کی كوشش کیلئے مَدَنِي قافلوں میں سفر كرنا ہے۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

كراچی:- شہید مسجد كھارادر۔ فون: 2314045-2203311 حیدرآباد:- فیضانِ مدینہ آفندی ناؤن۔ فون: 3642211
لاہور:- دربارِ ماركیٹ گنج بخش روڈ۔ فون: 7311679 ملتان:- نزد پیل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 4511192
سر دارآباد (فیصل آباد):- امین پور بازار۔ فون: 2632625 راولپنڈی:- اصغر مال روڈ نزد عید گاہ۔ فون: 4411665

آزاد کشمیر:- چوك شہیدال میر پور۔ 058610-82772